(1150)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

- تقسیم ہند: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟
- پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش

امیر تنظیم اسلامی: ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

قرآن کالج لاہور

اطلاع برائے داخلہ

- قرآن کالج لاہور میں ان شاء اللہ ایف۔اے سال اول اور ایم۔اے سال اول (معاشیات و عربی) میں داخلے تقریباً جولائی 94ء کے آخر یا اگست 94ء کے شروع میں ہوں گے۔
- داخلہ اور انٹرویو کی تاریخوں کا تعین لاہور بورڈ کے میٹرک کے نتیجہ کے اعلان کے مطابق کیا جائے گا' جس کی اطلاع روزنامہ جنگ اور نوائے وقت (لاہور ایڈیشن) میں اشتہار کے ذریعے کردی جائے گی۔
- مذکورہ بالا کلاسوں میں داخلہ کے خواہش مند حضرات سے گزارش ہے کہ وہ پندرہ روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کرلیں۔اور اپنا داخلہ فارم پر کر کے قرآن کالج کے پتہ پر ارسال کردیں۔جن اصحاب کے داخلہ فارم کالج آفس میں موجود ہوں گے انہیں انٹرویو کی تاریخ سے بذریعہ ڈاک مطلع کردیا جائے گا۔
- جن مقامات پر میٹرک اور بی۔اے کے نتائج شروع اگست تک متوقع نہیں ہیں' وہاں کے خواہش مند حضرات بھی متوقع نتیجہ کی بنیاد پر داخلہ لے سکتے ہیں۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج لاہور

۱۹۱۔اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

قرآن اکیڈمی
۱/۱۴/۱

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۳
شمارہ: ۷
صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
جولائی ۱۹۹۴ء
فی شمارہ -/۷
سالانہ زر تعاون -/۷۰

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارہ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵

○ تقسیم ہند : برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟

○ پاک بھارت کشیدگی : انگریزوں کی گھناؤنی سازش

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ بحث و نظر ——— ۴۵

○ کیا اس وقت پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے؟

○ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد ضروری ہے یا نہیں؟

ایک استفتاء کے جواب میں مولانا سید جمال الدین کاظمی کی مبسوط تحریر

☆ رفتارِ کار ——— ۷۰

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ کراچی

☆ دعوتِ فکر ——— ۷۴

اَلَیسَ مِنکُم رَّجُلٌ رَّشِید؟؟

نجیب صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

پاکستان کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے اور یہ ایک ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور جہاں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے' لیکن کیا پاکستان کو ایک اسلامی ملک یا اسلامی ریاست قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا پاکستان میں اس وقت اسلامی آئین نافذ ہے؟ یہ وہ الجھاؤ ہے جو ہر اس شخص کو بے چین کئے دیتا ہے جو دین کو یہاں سربلند دیکھنا چاہتا ہے اور غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد میں سرگرم عمل ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کا ایک بڑا حصہ تو وہ ہے جسے دین و مذہب سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے اور اس کے لئے یہ سوال ہی بے معنی ہے کہ کیا ہم پاکستان کے آئین کو اسلامی آئین قرار دے سکتے ہیں یا نہیں!۔ انہیں تو محض اپنے دنیاوی مفادات سے غرض ہے اور بس!۔ البتہ ایک قابل قدر حصہ جو اگرچہ تعداد کے اعتبار سے پہلے حصے کے مقابلے میں بہت کم ہے' ایسا ضرور موجود ہے کہ جو دین و مذہب سے لگاؤ رکھنے والا ہے' اگرچہ اس طبقے کی بھی ایک بڑی اکثریت دین کے ساتھ محض زبانی کلامی وابستگی کے اظہار ہی کو بہت کافی سمجھتی ہے' ان کے ہاں عمل کا خانہ بالکل الگ ہے جس کا ان کے عقیدے اور ایمان سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ ان سب کے بعد تو ایک نہایت قلیل اقلیت ہی بچتی ہے جنہیں ہم باعمل مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ ان میں بھی ایک واضح تقسیم موجود ہے اور وہ یہ کہ ان ہی کے ایک طبقے نے جو یقیناً عددی اعتبار سے بڑا ہے' دین کو مذہب کا درجہ دے رکھا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام تو محض انفرادی زندگی کا دین ہے' اجتماعی نظام سے اس کا کیا تعلق!۔ انسان بس اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال لے' دوسروں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے تو یہ بہت کافی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر وہ انہی تعلیمات کی دوسروں کو بھی' اپنی انفرادی حیثیت میں' دعوت دیتا ہے یا دینی علوم کے سیکھنے سکھانے میں لگ جائے تو سونے پہ سہاگہ ــــ باقی رہی یہ بحث کہ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کے نظام کو غالب و نافذ ہونا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں کوئی اجتماعی جدوجہد کرنی چاہئے اور جہاد و مجاہدے کی راہ اختیار کرنی چاہئے' ان کے نزدیک بالکل غیر متعلق ہے۔ تاہم دوسرا طبقہ فی الواقع اسلام کو محض مذہب نہیں' دین سمجھتا ہے۔ اللہ کے دین کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے لائے ہوئے نظام کو' اللہ کے عطا کردہ نظامِ عدلِ اجتماعی کو پورے سسٹم پر قائم و غالب کرنا ان کا ہدفِ اولین ہے۔ چنانچہ اس کے لئے تن من دھن سے جدوجہد کرنے اور جان و مال کا ایثار کرنے کو وہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کے مطابق ایمان کی شرطِ لازم قرار دیتے ہیں جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے :

"مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں نہ پڑیں اور وہ جہاد کریں اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں' یہی وہ لوگ ہیں جو راست باز ہیں (جو اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہیں)"

بدقسمتی سے ہمارے علماء کرام کی ایک بڑی اکثریت بھی عملاً اس طبقے میں شامل نظر آتی ہے جن کا تصورِ اسلام مذہب تک محدود ہے۔ دین حق کی مغلوبیت اور باطل نظام کا غلبہ انہیں بالعموم مشوش و پریشان

نہیں کرتا' وہ اپنے جمعہ و نماز کی امامت اور دینی علوم (جس میں اصل زور فقہ اور فقہی مسائل پر ہے) کے درس و تدریس میں مگن ہیں' وہ اس بات پر قانع ہیں کہ لوگ ان سے مسئلے مسائل پوچھ لیا کریں اور نکاح پڑھانے اور نماز جنازہ کی امامت کے لئے ان سے رجوع کر لیا کریں۔ دین کو بحیثیت ایک مکمل نظام کے نافذ و غالب کرنے کے لئے اجتماعی مساعی کی کوئی ضرورت و اہمیت وہ بالعموم محسوس نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔ تاہم دینی علوم کے وارث ہونے کی حیثیت سے علماء کرام کا جو مثبت اور مفید کردار ہے اسے کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انہی علماء میں وہ بھی ہیں جنہوں نے آزادی اور حریت کی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا اور وہ بھی ہیں کہ جو غلبہ و اقامتِ دین اور منصبِ امارتِ شرعیہ کے لئے عملی جدوجہد میں پیش پیش رہے ـــ علماء کرام کے بارے میں ہمارے تاثرات میں ایک خوشگوار حیرت کا اضافہ حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب کے ذریعے ہوا جس کا عنوان ہے: "مغربی پارلیمانی طریق انتخاب۔ علماء امت کی نظر میں"۔ یہ کتاب تحریک اسلامی انقلاب پاکستان کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے جس کا مرکزی دفتر کراچی میں ہے۔ کتاب شائع کرنے والے ادارے کا جو پتہ مطبوعہ موجود ہے وہ ہم بھی درج کئے دیتے ہیں: مرکزی دفتر تحریک اسلامی انقلاب 'نزد قمر العلوم فرید یہ 'ماری پور روڈ' کراچی 'فون ۷۴۱۰۵۱۔

یہ کتاب دراصل ایک دلچسپ سوال نامے کے گرد گھومتی ہے جو ۸۸ء کے انتخابات سے قبل استفتاء کی صورت میں مختلف علماء کرام کو ارسال کیا گیا اور پھر ان کے جو جوابات موصول ہوئے انہیں کتابی صورت دے دی گئی۔ استفتاء میں شامل سوالات حسب ذیل ہیں: ۱) کیا اس وقت پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے؟ ۱۱) اسلامی آئین کے نفاذ کی شرعی حیثیت اور ضرورت کیا ہے؟ ۱۱۱) اگر کسی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہیں تو اس ملک کے عوام اور علماء پر ازروئے شرع کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے' نیز اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی صورت میں ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ ۱۷) اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرنا اور تحریک چلانا کس قدر ضروری ہے؟ ۷) اگر کسی اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی آئین نافذ نہیں کرتا تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے' نیز اس سے تعاون یا اس کی مخالفت کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ اور ۷۱) کیا مروجہ طریق انتخاب اسلامی ہے یا نہیں؟ ـــ ان تمام سوالات میں ہماری دلچسپی ظاہر و باہر ہے۔ تحریک اسلامی انقلاب پاکستان کی جانب سے جن علماء کو یہ سوالنامہ بھیجا گیا وہ تقریباً سب بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں' لیکن ہمیں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ دین اسلام کے بارے میں ان علماء کا فکر بالکل واضح ہے اور اسلام کے انقلابی فکر سے ان میں سے بعض کی نگاہیں خواہ وقتی طور پر ہٹ گئی ہوں لیکن سوالات کی صورت میں جب انہیں اس جانب توجہ دلائی گئی تو انہوں نے وہی جوابات تحریر فرمائے جو اسلام کے حقیقی انقلابی فکر سے ہم آہنگ ہیں اور جن کو اجاگر کرنے کے لئے تنظیم اسلامی اور اس کے امیر بھرپور طور پر کوشاں ہیں۔ کتاب میں بہت سے علماء کے جوابات شائع کئے گئے ہیں' سردست ہم ان میں سے صرف ایک عالم دین' صاحبزادہ سید محمد جمال الدین کاظمی کے جوابی تحریر زیر نظر شمارے میں شائع کر رہے ہیں۔

تقسیمِ ہند: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟

اور

پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش

ڈاکٹر اسرار احمد

ہندوستان کی تقسیم: برطانوی منصوبہ یا الٰہی تدبیر؟

روزنامہ جنگ لاہور کی ۲۳/ مارچ ۹۴ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر تین کالمی سرخی کے ساتھ ایک بھارتی مسلمان دانشور دانیال لطیفی صاحب کی بعض آراء پر مشتمل خبر شائع ہوئی تھی جس کی جلی سرخی یہ تھی: "قائداعظم اور گاندھی متحدہ ہندوستان چاہتے تھے' انگریز نے تقسیم پر مجبور کر دیا!" اس کے بعد ذیلی سرخی یہ تھی کہ: "کشیدگی ختم کرنے کے لئے وہ زہر نکالا جائے جو انگریزوں نے دو سو سال پہلے انجیکٹ کیا تھا!— قائداعظم کے قریبی ساتھی اور ۱۹۴۰ء کے منشور کے مصنف سے خصوصی انٹرویو۔" اس کے بعد نیوز رپورٹر کے حوالے سے خبر کا پورا متن حسب ذیل تھا:

"مسلم لیگ کے ۱۹۴۰ء کے منشور کے مصنف اور قائداعظم کے قریبی ساتھی دانیال لطیفی نے کہا ہے برصغیر کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم میں بندر بانٹ کی تاکہ دونوں ملک آپس میں لڑتے مرتے رہیں اور اُس وقت کی سپر پاور برطانیہ دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو جائے۔ برطانیہ کے زوال کے باعث اگرچہ ماؤنٹ بیٹن کا خواب پورا نہ ہو سکا لیکن دونوں ممالک کے سیاسی لیڈر اپنے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے عوام کو گمراہ کرتے رہے۔ حقیقت کچھ اور تھی اور بتایا کچھ اور جاتا رہا۔ وہ مسلم لیگی رہنما عمر قصوری کی صاحب زادی اور سابق وفاقی وزیر خورشید قصوری کی بھتیجی کی

رسم حنا کے موقع پر "جنگ" کے انجم رشید' زمان احسان اور امین حفیظ پر مشتمل خصوصی پینل کو انٹرویو دے رہے تھے۔ ۷۷ سالہ بیرسٹر دانیال لطیفی نے کہا کہ ہندوستان کی تقسیم سے قائداعظم اور گاندھی دونوں خوش نہ تھے مگر دونوں بے بس تھے اور یہ تقسیم قبول کرنے پر مجبور تھے۔ دونوں لیڈر متحدہ آزاد ہندوستان چاہتے تھے لیکن انگریزوں نے حالات ہی ایسے بنا دیئے۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا قائداعظم اسلامی سیکولر پاکستان چاہتے تھے جس میں مکمل جمہوریت ہو اور تمام مذاہب کے لوگوں کو مکمل آزادی ہو۔ انہوں نے کہا سیکولر کا آئیڈیا اسلام سے لیا گیا ہے اور قائداعظم اس سلسلہ میں اس حدیث پر یقین رکھتے تھے (ترجمہ) : "مظلوم کی پکار سے ڈرو' چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔" انہوں کہا انڈیا اور پاکستان میں کشیدگی ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس زہر کو نکالا جائے جو انگریزوں نے دو سو سال کے دوران دونوں قوموں کی رگوں میں "انجیکٹ" کیا ہے۔ دونوں ملک متحد ہوں یا نہ ہوں' نفرتوں کی دیوار ختم ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا میں قیام پاکستان کے وقت ہجرت کے حق میں نہ تھا۔ اس موقع پر ہونے والی لاکھوں افراد کی قتل و غارت کا ذمہ دار ماؤنٹ بیٹن تھا۔ اس نے بدمعاشی کی اور ہجرت کے بارے لارڈ ویول کے پلان کو تبدیل کر دیا۔"

تو اگرچہ نبی اکرم ﷺ کا قولِ مبارک تو یہ ہے کہ : "یہ نہ دیکھا کرو کہ بات کہنے والا کون ہے' بلکہ یہ دیکھا کرو کہ اس نے کہا کیا ہے!" تاہم اس قسم کی آراء کو' جیسی کہ اس انٹرویو میں سامنے آئی ہیں' اس مسلّمہ قانون کے ذیل میں شمار کیا جانا چاہئے کہ "بعض حالات میں استثنائی مثالوں سے قاعدہ کلیہ مزید ثابت اور محکم ہو جاتا ہے۔" لہٰذا ان آراء پر تبصرہ کرنے سے قبل "صاحبِ رائے" کی شخصیت کا کسی قدر تعارف حاصل کر لینا ضروری ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ پاکستان کے عوام کی عظیم اکثریت نے یہ نام پہلی بار سنا ہے۔ چنانچہ خود میرا اپنا حال یہ ہے کہ اگرچہ میں ۴۷ء

۱۹۴۶ء کے دوران میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا فعال کارکن تھا' یہاں تک کہ ۱۹۴۶ء میں فیڈریشن کا جو اہم اجلاس حسینہ ہال' اسلامیہ کالج' ریلوے روڈ' لاہور میں منعقد ہوا تھا' جس سے قائداعظم نے بھی خطاب فرمایا تھا' اس میں ضلع حصار سے شرکت کرنے والے دو مندوبین میں سے ایک میں تھا' اس کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ میں دانیال لطیفی صاحب سے بالکل واقف نہ تھا۔ تاہم چونکہ ان کی باتیں کم از کم "قابل غور" ضرور نظر آئیں لہٰذا میں نے ان کے بارے میں مزید معلومات کچھ تو سینئر صحافی عبدالکریم عابد صاحب سے حاصل کیں' اور مزید لطیفی صاحب کے میزبان جناب عمر قصوری صاحب سے۔ اور ان کی آراء پر تبصرے سے قبل ان کی شخصیت کے بارے میں ان معلومات میں سے بعض کو قارئین کے علم میں بھی لانا مناسب سمجھتا ہوں۔

میرا گمان تھا کہ جب لطیفی صاحب قصوری خاندان کی ایک شادی میں شرکت کے لئے بھارت سے پاکستان تشریف لائے تو یقیناً اس خاندان کے ساتھ ان کا عزیز داری کا تعلق ہو گا لیکن معلوم ہوا کہ میرا یہ اندازہ غلط ہے۔ اور معاملہ صرف اتنا ہے کہ ان کی نہایت گہری ذاتی دوستی میاں محمود علی قصوری مرحوم کے ساتھ تھی' جو انہیں ان کی پوتی کی شادی کے لئے کھینچ لائی۔ ان کے والد ڈاکٹر عالم لطیفی برٹش انڈیا کے اولین ہندوستانی (اور وہ بھی مسلم!) فنانشل کمشنر تھے جو کچھ دیر پنجاب کے ایکٹنگ گورنر بھی رہے تھے۔ خود دانیال صاحب پکے اور سچے مارکسسٹ تھے۔ اور نہایت اعلیٰ تعلیم کے حصول حتیٰ کہ انگلستان سے بیرسٹری کی تکمیل کے بعد انہوں نے کل تیس روپے ماہانہ مشاہرے پر کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا میں ایک "ہمہ وقت کارکن" کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر جب عالمی کمیونزم کی سطح پر فیصلہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان کمیونسٹ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں شامل ہو جائیں تو پارٹی ڈسپلن کی پابندی کرتے ہوئے وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے' اس وضاحت کے ساتھ کہ جب آپ

ہمیں وہاں بھیج ہی رہے ہیں تو اب ہم وہاں پوری تندہی اور مسلم لیگ کے نظم کی پابندی کے ساتھ کام کریں گے۔ چنانچہ اپنی خداداد صلاحیت و ذہانت اور ایثار و محنت کی بنا پر دانیال صاحب قائداعظم کے قریبی رفقائے کار کے حلقے میں شمار کئے جانے لگے جس کا نمایاں مظہر یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء میں عام انتخابات سے قبل مسلم لیگ کا جو منشور تیار ہوا اس کے ضمن میں' جیسا کہ اخباری خبر میں بھی وضاحت ہے (اگرچہ وہاں ۱۹۴۶ء کی بجائے غلطی سے ۱۹۴۰ء چھپ گیا ہے!) انہوں نے میاں ممتاز محمد خان دولتانہ وغیرہ کے ساتھ مل کر اہم خدمت سرانجام دی۔ تقسیم ہند سے قبل بمبئی میں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو انہیں وہاں فسادات کی روک تھام اور بالخصوص ریلوے کے مسلمان ملازمین کی حفاظت اور امداد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد جب انہوں نے واپس لاہور آنے کا ارادہ کیا تو بمبئی کے مسلمانوں نے ان سے وہیں قیام کرنے کی درخواست کی جو انہوں نے منظور کر لی۔ بنابریں وہ مستقل طور پر بھارتی شہری بن گئے' بعد ازاں وہ دہلی منتقل ہو گئے اور اب وہ نئی دہلی میں سپریم کورٹ آف انڈیا میں وکالت کرتے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ برِعظیم پاک و ہند کے بگڑتے ہوئے حالات پر سخت مضطرب رہتے ہیں بلکہ آر ایس ایس' بی جے پی' اور وی ایچ ایس قسم کی ہندو فنڈامنٹلسٹ تحریکوں سے بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو جو شدید خطرات لاحق ہیں ان کے بارے میں بہت پریشان اور متفکر ہیں۔ کمیونزم کے ضمن میں ان کا رجحان اس کے چینی برانڈ کی جانب رہا۔ اور بھارتی بنگال کے موجودہ کمیونسٹ وزیر اعلیٰ جیوتی باسو ان ہی کے رفیق اور تربیت دادہ ہیں۔ تاہم اب جبکہ عالمی سطح پر کمیونزم اور سوشلزم کی عمومی موت واقع ہو چکی ہے' ان کے نظریات میں بھی اعتدال پیدا ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم!

"صاحب رائے" کے بارے میں اس وضاحت کے بعد اب آیئے ان کی آراء کے حسن و قبح اور صواب و خطا کی جانب۔ تو اس سلسلے میں بھی پہلی بات یہ کہ دنیا میں

صد فی صد حق اور درست بات تو یا تو صرف اللہ کے اپنے کلام یعنی قرآن کی ہو سکتی ہے یا اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کی' بشرطیکہ اس کی نسبت آنجناب ؐ کی جانب درست ہو۔ باقی ہر بات میں نہ صرف یہ کہ خطا و صواب' اور صحیح یا غلط کا امکان بہرحال موجود ہوتا ہے' بلکہ اکثر و بیشتر معاملات میں بیک وقت دونوں ہی پہلو موجود ہوتے ہیں' صرف اس فرق کے ساتھ کہ کہیں تو خطا اور صواب تقریباً برابر موجود ہوتے ہیں' کہیں صواب اور درستی کا عنصر غالب ہوتا ہے اور خطا یا غلطی کا پہلو نظرانداز کئے جانے کے قابل ہونے کی حد تک کم' اور کہیں باطل کا عنصر غالب ہوتا ہے اور حق کا حصہ صرف اس قدر کہ باطل اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو سکے۔ اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جناب دانیال لطیفی کی جو آراء محولہ بالا خبر میں رپورٹ ہوئی ہیں' ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے اور ان کا گہرا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان میں بحیثیتِ مجموعی تو حق و باطل تقریباً برابر برابر شامل ہیں' تاہم ایک تو ان کی گفتگو کا اصل حاصل اور مقصود بالکل درست ہے' یعنی یہ کہ بھارت اور پاکستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین منافرت کے کم از کم اس اضافی حصے کو تو زائل کرنے کی کوشش کی جائے جو انگریز نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت پیدا کیا تھا۔ اور دوسرے تقسیم ہند کے اسباب کے ضمن میں بھی اس کے باوجود کہ ان کی بعض آراء پاکستان کے عوام ہی نہیں اچھے بھلے پڑھے لکھے بلکہ دانشور شمار ہونے والے لوگوں کو بھی یقیناً بہت نامانوس اور عجیب لگی ہوں گی' لیکن ہیں بہت حد تک صحیح! ۔ صرف اس صراحت کے ساتھ کہ ان میں ایک تو کچھ "واقعاتی خلا" بھی موجود ہے' اور دوسرے ایک "ماورائی حقیقت" سے کُلّی طور پر صرفِ نظر کر لیا گیا ہے اور یہ دوسری بات ایک ایسے شخص کے لئے بالکل قرین قیاس ہے جس کے ذہن پر مارکس کی جدلی مادیت کا غلبہ رہا ہو۔

چنانچہ جہاں تک گاندھی جی سمیت تمام ہندو لیڈروں یہاں تک کہ جملہ ہندو عوام کا تعلق ہے' یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان کی تقسیم انہوں نے بادلِ

ناخواستہ بلکہ مجبوراً ہی تسلیم کی تھی۔ بلکہ ان کے اذہان اور قلوب نے اسے تاحال بھی قبول نہیں کیا ہے۔ خاص طور پر گاندھی جی کا یہ قول تو تقسیم ہند سے چند ہی ہفتے قبل کا ہے کہ "پاکستان صرف میری لاش پر بن سکتا ہے!" ـــــ لہٰذا اس ضمن میں نہ کسی اختلاف کی گنجائش ہے، نہ بحث کی ضرورت۔

خود قائداعظم کے بارے میں دو باتیں تو قطعاً مسلّم ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ وہ طویل عرصے تک کانگرس میں شامل رہے تھے اور ایک زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر اور پیغامبر قرار دیئے جاتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے کیبنٹ مشن پلان کو قبول کر لیا تھا جس کی رو سے ایک علیحدہ اور آزاد پاکستان کے قیام کا معاملہ کم از کم دس سال کے لئے مؤخر ہو گیا تھا۔

ان دو ناقابل تردید حقائق کے مابین ۱۹۴۱ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری اور پھر اس کے مطابق تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی عظیم جدّوجہد میں جو ذاتی اور فیصلہ کن حصہ قائداعظم کا رہا، اس کے ضمن میں یہ بات تو کم از کم مسلمانانِ پاکستان میں مشہور و معروف ہی نہیں تقریباً متفق علیہ ہے کہ اس کا اصل سبب قائداعظم کی ہندو ذہنیت سے مایوسی اور بیزاری تھی کہ ان سے کسی انصاف کی توقع نہیں رکھی جا سکتی اور یہ رائے انہوں نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر قائم کی تھی اور اس کی بنا پر وہ ہر صورت میں تقسیمِ ہند ہی پر مُصِر اور جازم تھے، لیکن ایک دوسری رائے بھی پیش کی جاتی رہی ہے کہ قیامِ پاکستان اور تقسیم ہند کا مطالبہ اصل میں ہندو قیادت کے ساتھ سیاسی سودے بازی کا مظہر تھا۔ اور قائداعظم ذہناً اور قلباً کسی بھی ایسی صورت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتے تھے جس میں ہندوستان کی وحدت بھی برقرار رہتی اور مسلمانانِ ہند کے حقوق کا مناسب تحفظ بھی ہو جاتا۔

اس مؤخر الذکر رائے کی تائید میں ایک بات، جو گزشتہ سال اتفاقاً میرے علم میں آئی، یہ ہے کہ جنوری ۹۳ء میں جب میں امریکہ جا رہا تھا تو ہوائی جہاز میں میری ملاقات

پروفیسر اقبال احمد صاحب سے ہوئی جو امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں پولٹیکل سائنس کے استاد ہیں' اور امریکہ کی دوسری یونیورسٹیوں ہی نہیں دور دراز کے ممالک میں بھی سیاسی و علمی موضوعات پر خطبات کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ (ان کا تعلق اچھرہ' لاہور کے زیلدار خاندان سے ہے!) انہوں نے بتایا کہ ان کے علم میں ایسے دستاویزی ثبوت موجود ہیں کہ ۱۹۴۶ء ہی میں قائداعظم نے ریاست کلو (جو اب بھارت کے ہماچل پردیش میں شامل ہے) میں خاصہ وسیع رقبہ خرید فرمایا تھا تاکہ اسے ایک سیاحت کے مقام کی حیثیت سے بھی ترقی دیں' اور وہیں اپنے لئے ایک رہائش گاہ بھی تعمیر فرمائیں۔ گویا اُس وقت تک قائداعظم تقسیمِ ہند کو کوئی حتمی اور شدنی بات نہیں سمجھتے تھے۔

تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے ضمن میں بیرسٹر دانیال لطیفی صاحب کا نظریہ دو حصوں پر مشتمل ہے' یعنی : ایک یہ کہ نہ گاندھی جی اسے پسند کرتے تھے نہ قائدِ اعظم۔ اور چونکہ یہی دو شخصیتیں انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ میں فیصلہ کن حیثیت کی حامل اور قیادت و سیادت کے بلند ترین منصب پر فائز تھیں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان کی تقسیم کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی ناپسندیدگی کے علی الرغم جبراً مسلط کی گئی۔ لطیفی صاحب کے نظریئے کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ جبر انگریزوں کی جانب سے ہوا' اور ہندوستان کی یہ جبری تقسیم ہمارے سابق حکمرانوں نے اپنے مذموم مقصد یعنی ہندوستان پر دوبارہ قابض ہونے کے لئے کی!

ان میں سے پہلی بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرتے ہوئے دوسرے حصے پر غور کیا جائے تو اس میں تو ہرگز کوئی شک نہیں کہ برعظیم کی تقسیم' اور اس کے نتیجے میں پاکستان کے قیام' میں ایک جزوی اور بالواسطہ عامل کی حیثیت سے انگریزوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو!" (Divide and Rule!) کی حکمتِ عملی کا کسی نہ کسی حد تک عمل دخل موجود تھا' لیکن اسے ایک کلی حقیقت یا واحد سبب قرار دینے کے لئے

ایک جانب تو جس قدر مثبت شواہد کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں ہیں۔ اور دوسری جانب' جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا تھا' ایک اہم "واقعاتی خلا" بھی اس کی راہ میں حائل ہے۔

یہ بات تو یقیناً اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کا اصل سبب ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین بڑھتی ہوئی بے اعتمادی اور نفرت تھی۔ البتہ اس باہمی منافرت اور بد اعتمادی کے بارے میں جہاں یہ کہنا غلط ہے کہ یہ کل کی کل انگریز کی پیدا کردہ تھی' وہاں یہ کہنا بھی حقائق سے گریز کے مترادف ہے کہ اس کی شدت اور گہرائی و گیرائی میں کوئی اضافہ انگریزوں کی مذکورہ بالا حکمت عملی سے نہیں ہوا۔

جہاں تک اس "لڑاؤ اور حکومت کرو!" کی حکمت عملی کا تعلق ہے وہ اولاً تو بجائے خود حاکم و قابض اقوام کے ان مسلّمہ ہتھکنڈوں میں سے ہے جو علامہ اقبال نے سورۂ نمل کی آیت ۳۴ کے حوالے سے بیان کئے ہیں' یعنی۔

آبتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ "اِنَّ الْمُلُوكَ"
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادو گری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
جادوئے محمودؑ کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری

ثانیاً اس کے ضمن میں حقائق و شواہد کا کافی مواد بھی خان عبدالولی خان صاحب انڈیا آفس کے ریکارڈ کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے وقتاً فوقتاً فراہم کرتے رہے ہیں۔

بد قسمتی سے ہمارے ملک کے بعض دانشوروں نے ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت کے "چلتے ہوئے جھکڑ" اور بد اعتمادی کی "اٹھتی ہوئی

آندھی" کے ایک سبب کو اس درجہ اچھالا ہے' اور اس شدت کے ساتھ تحریر و تقریر کا موضوع بنایا ہے کہ دوسرے جملہ عوامل نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ عوام کے اذہان میں اس پوری صورت حال کے واحد سبب کی حیثیت صرف ہندوؤں کی عمومی چھوت چھات' برہمنوں کے سامراجی مزاج' اور بنیوں کی چاپلوسانہ عیاری کی ذہنیت کو حاصل ہو گئی ہے۔ چنانچہ ایک جانب یہ پہاڑ جیسی عظیم حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہو گئی کہ ہندو معاشرہ صرف برہمنوں اور بنیوں ہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں راجپوت اور شودر بھی موجود ہیں' جو اپنا اپنا جداگانہ مزاج رکھتے ہیں' مزید بر آں خود برہمنوں اور بنیوں میں بھی۔ "نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد۔ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!" کے مصداق ہر مزاج اور کردار کے لوگ موجود ہیں۔ اور دوسری جانب ان دو اہم عوامل سے تو کامل ذہول ہو گیا جن میں سے ایک کا تعلق ماضی بعید اور اور خود مسلمانوں کے اپنے کردار سے ہے' اور دوسرے کا ماضی قریب اور انگریزوں کے کردار سے!

ان میں سے مقدّم الذّکر سے صرفِ نظر اور غضِّ بصر کا معاملہ تو۔

"وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا!"

کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ اس تلخ حقیقت کا اعتراف بہت مشکل ہے کہ خود ہم مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی "ہزار سالہ" حکومت کے دوران اکثر و بیشتر وہی "اقوامِ غالب" والا کردار اختیار کیا تھا جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ اپنے ان فرائض کو تو سرے سے ادا ہی نہیں کیا تھا جو امتِ مسلمہ اور امتِ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہوتے تھے' یعنی اللہ کے پیغام کی دعوت و تبلیغ' اور اسلام کے عادلانہ نظامِ زندگی اور دینِ حق کے نظامِ عدل و قسط کے قیام کے ذریعے خلقِ خدا پر اللہ کی رحمانیت و رحیمیت اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی

رحمۃٌ لِلعالمین کا عملی مظاہرہ' اور اس طرح اللہ اور رسول ﷺ کی جانب سے ہندوستان میں بسنے والوں پر اتمامِ حجت! بلکہ بہت سے حکمرانوں نے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ قائم رکھنے کے علاوہ ذاتی عیاشی اور بوالہوسی کے وہ جملہ انداز اختیار کئے جو ہمیشہ سے ملوکیت اور بادشاہی کے لوازم میں سے رہے ہیں۔ اور ان سب کی بنا پر ہندوؤں میں عمومی طور پر وہ انتقامی جذبہ موجود تھا جو سقوطِ ڈھاکہ کے حادثہ فاجعہ کے موقع پر بہ مصداق "نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں!" کے مطابق فتحمندی کی سرمستی میں پنڈت موتی لال نہرو جیسے وسیع المشرب انسان کی پوتی اور جواہر لال نہرو جیسے سیکولر اور سوشلسٹ مزاج کے حامل شخص کی بیٹی مسز اندرا گاندھی کے منہ سے نکلنے والے ان الفاظ سے ظاہر ہو گیا کہ: "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا لیا ہے!"

بہرحال وہ آگ جو اِن دو عوامل یعنی برہمن اور بنیا ذہنیت اور مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کے ردِ عمل نے بھڑکائی تھی اس پر تیل کا کام یقیناً اس تیسرے عامل یعنی انگریزوں کی حکمت عملی نے سرانجام دیا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو ٹھیک وہی کام کیا جو سورۂ نمل کی آیت ۳۴ میں بیان ہوا ہے یعنی مفتوح قوم کے اعلیٰ طبقات کو ادنیٰ (اور ادنیٰ کو اعلیٰ) بنا دیا جائے' چنانچہ ہمارے سابق حکمرانوں نے سوائے پنجاب اور سرحد کے باقی پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو دبایا اور ہندوؤں کو ابھارا۔ اور پھر ان دونوں کے مابین چپقلش کو مسلسل ہوا دی اور نفرت اور بے اعتمادی کے جراثیم کو پروان چڑھایا۔ جسے دانیال لطیفی صاحب نفرت کو "انجیکٹ" کرنے سے تعبیر کر رہے ہیں!

بہرحال' اس عامل کی حد تک تو تقسیم ہند کے ضمن میں انگریزوں کا حصہ لازماً تسلیم کیا جانا چاہئے' لیکن اسے واحد یا سب سے فیصلہ کن عامل قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے' جیسا کہ دانیال صاحب کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی راہ میں جو سب سے بڑا "واقعاتی خلا" حائل ہے وہ یہ کہ انگلستان میں دو جماعتی پارلیمانی

جمہوریت قائم تھی جس میں عام طور پر مخالف سیاسی جماعتوں کے بنیادی مزاج اور عمومی طرز عمل میں اختلاف موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ کنزرویٹو پارٹی اور لیبر پارٹی کے مزاج اور پالیسیوں میں بھی بہت فرق اور تفاوت تھا۔ اور "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی حکمت عملی مقدم الذکر کی حد تک تو ایک حقیقتِ موضوعہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن مؤخر الذکر کے ضمن میں کم از کم اس حد تک نہیں۔ اور یہ بات کہ جب ہندوستان آزاد ہوا اس وقت انگلستان میں لیبر پارٹی برسر اقتدار تھی جہاں اس اعتبار سے اہم ہے کہ بصورت دیگر شاید ابھی آزادی کے حصول میں تاخیر ہو جاتی' وہاں مسئلہ زیر بحث کے اعتبار سے تو نہایت فیصلہ کن ہے۔ اس لئے کہ پہلے بھی یہ راز کچھ ایسا زیادہ خفیہ نہ تھا' اور اب تو وہ طشت از بام بھی ہو چکا ہے کہ انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ ایٹلی' اور ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن دونوں کو قائد اعظم اور مسلم لیگ دونوں سے شدید نفرت تھی۔ چنانچہ یہی وہ معروضی صورت حال تھی جس کے پیش نظر قائد اعظم کو کیبنٹ مشن پلان قبول کرنا پڑا تھا' جس کے نتیجے میں کم از کم فوری طور پر ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا مسئلہ ختم ہو گیا تھا۔ اب اس کے بعد بھی ملک تقسیم ہوا اور ایک آزاد اور خود مختار پاکستان وجود میں آیا تو یہ "جبر" تو لازماً تھا لیکن انگریز کا نہیں' بلکہ اس سے بھی کہیں بالاتر اور مقتدر ہستی یعنی اللہ کا! چنانچہ یہی وہ "ماورائی" حقیقت ہے جس کا ذکر گزشتہ ہفتے ہوا تھا اور جس کی جانب مارکس کی جدلی مادیت کے پھندے میں گرفتار مخلص کا ذہن منتقل ہو ہی نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ "جبر" اور قانونِ الٰہی کی یہ کارفرمائی اس سنّتُ اللہ کے مطابق ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے لئے آزادی کی طالب ہوتی ہے تو اللہ اس کی خواہش پوری فرما کر اسے ایک لازمی آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے کہ آزادی و خود اختیاری کے حصول کے بعد وہ اپنا وعدہ پورا کرتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ قرآن کے اس عمومی اسلوب کے مطابق کہ اہم مضامین اس میں کم از کم دو بار ضرور بیان ہوتے

ہیں یہ قانونِ الٰہی بھی سورۂ اعراف کی آیت ۱۲۹ میں تو خاص طور پر بنی اسرائیل کی سرگزشت کے ضمن میں وارد ہوا ہے۔ اور سورۂ یونس کی آیت ۱۴ میں عمومی انداز میں مذکور ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام' جس کے لئے تقسیم ہند ناگزیر تھی' سیاست و عمرانیات کے جملہ اصولوں کی رو سے ایک "معجزہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی واحد توجیہہ صرف مذکورہ بالا سنتِ الٰہی ہی سے ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ جب راس کماری سے درۂ خیبر' اور چاٹگام سے کوئٹہ تک پورا برِّعظیم "پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اور جمعوں اور عیدوں کی نمازوں میں گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کی گئیں کہ "اے اللہ! ہمیں انگریز اور ہندوؤں کی دوہری غلامی سے نجات عطا فرما' تاکہ ہم تیرے نبیؐ کے دین پر عمل پیرا ہو سکیں!" تو حکمتِ خداوندی نے عین لیلۃ القدر کو تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کا فیصلہ صادر فرمادیا۔ "تاکہ ہم دیکھیں کہ اب تم کیا عمل کرتے ہو!" (یونس : ۱۴)

اب ظاہر ہے کہ تقسیمِ ہند اور قیام پاکستان کا یہ "ماورائی عامل" کسی ایسی شخصیت ہی کو نظر آسکتا تھا جو یہ دعویٰ کر سکے کہ ع "گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود!" چنانچہ یہ علامہ اقبال تھے جنہوں نے ۱۹۳۰ء ہی میں' جب کہ ابھی قائداعظم تو صرف چودہ نکات تک ہی پہنچے تھے' اس "تقدیرِ مبرم" کا "مشاہدہ" کر لیا تھا کہ "ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہو گی!" یہ دوسری بات ہے کہ اس مردِ درویش نے اس کا جو اصل مقصد معیّن کیا تھا اس کی جانب تاحال کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی۔ تاہم اس سے بھی کوئی حرف حضرت علامہ پر نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ بات انہوں نے ایک امکان اور "موقع" کی حیثیت سے کہی تھی پیشینگوئی کے انداز میں نہیں کہ : "اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اس کے اصل روئے روشن کو دنیا کے سامنے پیش کر سکیں!" ـــــ اور ان سطور کے عاجز و ناچیز راقم کو بعض احادیثِ

نبویہ ؐ کی بنیاد پر یہ یقین حاصل ہے کہ ان شاء اللہ علامہ اقبال کی یہ توقع بھی پوری ہو گی۔ اور خلافتِ اسلامی کا احیاء اسی ارضِ پاکستان اور اس سے ملحق افغانستان سے ہو گا۔ اگرچہ سورۂ انبیاء کی آیت ۱۰۹ میں وارد شدہ الفاظ : "وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○" "اور میں یہ نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ لیا جا رہا ہے وہ قریب آچکی ہے یا ابھی کچھ دور ہے!" اور اسی طرح سورۂ جن کی آیت ۲۵ میں وارد شدہ الفاظِ مبارکہ : "قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ○" یعنی "(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب آچکی ہے یا ابھی میرا رب اس میں کچھ دیر فرمائے گا!" کے مطابق نہ یہ کہا جا سکتا کہ یہ مرحلہ ابھی کتنی دور ہے، نہ یہ کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اب تک کی وعدہ خلافی کی مزید سزا دے گا یا نہیں، اور دے گا تو کیا!

بہرحال جہاں تک دانیال لطیفی صاحب کی اس رائے کا تعلق ہے کہ بھارت اور پاکستان کے مابین نفرت کا خاتمہ کیا جائے تو اس کے ضمن میں عرض ہے کہ اگر فوری طور پر اس کا کُلّی خاتمہ ممکن نہ ہو تو بھی آزادی کے چھیالیس سال بعد ہمیں اس امر پر تو سنجیدگی کے ساتھ لازماً غور کرنا چاہئے کہ اس کے کم از کم اس اضافی حصے کو تو ختم کرنے کی بہر صورت کوشش کریں جو ہمارے سابق غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی وقتی حکمت عملی کے تحت پیدا کیا تھا۔ کاش کہ دونوں ملکوں کے دانشور اس جانب توجہ کر سکیں۔ ○

دعوت رجوع الی القرآن کا نقیب، علوم و حکمِ قرآن کا پرچارک
ماہنامہ حکمت قرآن لاہور
جاری کردہ: ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم
(پی ایچ ڈی، ڈی لٹ)
زیر ادارت
ڈاکٹر اسرار احمد
یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور
فون
۸۵۶۰۰۳

پاکستان کا قیام : برطانوی سازش یا خدائی تدبیر؟

پروفیسر سید عرفانی کے جواب میں

روزنامہ "جنگ" لاہور کی اشاعت بابت ۱۶/ اور ۱۷/ مئی میں میرے اس کالم پر ایک تنقیدی تحریر پروفیسر سید محمد یوسف عرفانی صاحب کے قلم سے شائع ہوئی ہے جو ۲۲/ اپریل کو "قیامِ پاکستان: برطانوی سازش یا الٰہی تدبیر؟" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ میں شخصی اعتبار سے پروفیسر صاحب سے بالکل واقف نہیں ہوں، علم و فضل میں تو وہ یقیناً مجھ سے زیادہ ہیں، ہو سکتا ہے کہ عمر میں بھی زیادہ ہوں۔ بنابریں ان کے "استفسار" کے جواب میں اگر کوئی لفظ نادانستہ طور پر میرے قلم سے ایسا نکل جائے جس میں سوءِ ادب کا احتمال ہو تو پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

مجھے سخت حیرت اور تعجب ہے کہ دو اقساط پر پھیلی ہوئی اس تحریر میں میری گزارشات کے اس حصے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے جو نہ صرف یہ کہ میرے اصل مدّعا اور مقصود کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس کالم کے عنوان میں بھی جلی طور پر شامل ہے، یعنی : "الٰہی تدبیر!" مزید برآں پروفیسر صاحب نے جناب دانیال لطیفی کے پورے موقف کو میری جانب منسوب کر دیا ہے یعنی یہ کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان اصلاً برطانوی سازش کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ میں نے اس کے صرف ایک جزو کے مبنی برصداقت ہونے کے احتمال کو تسلیم کر کے کلی اور مجموعی طور پر اس کی پرزور تردید اور نفی کی ہے، اور اس تردید اور نفی کے ضمن میں بعینہٖ وہی دلیل دی ہے جو خود پروفیسر صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں بیان فرمائی ہے۔ اس پر اگرچہ صحیح طرزِ عمل تو یہ ہونا چاہئے کہ "ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔" اور "خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے!" کہہ کر خاموشی اختیار کر لی جائے، لیکن چونکہ ہو سکتا ہے کہ پروفیسر

صاحب کی اس تحریر سے بہت سے قارئین کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہوں لہٰذا میں اپنا موقف دوبارہ اختصار کے ساتھ لیکن ریاضی کے سے انداز میں سلسلہ وار درج کر رہا ہوں۔

۱۔ میرے نزدیک پاکستان کا قیام کسی برطانوی سازش کا نتیجہ ہرگز نہیں تھا بلکہ اللہ کی حکمت و مشیت کا مظہر، اور احیاءِ اسلام اور غلبۂ دینِ حق یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے عالمی سطح پر قیام کے ضمن میں اللہ کے طویل المیعاد منصوبے کی اہم کڑی ہے۔

۲۔ تقسیمِ ہند کے سلسلے میں "برطانوی سازش" کے عمل دخل کا احتمال جزوی اور بالواسطہ طور پر اس اعتبار سے تو یقیناً ہے کہ عالمِ اسباب میں اس کا اصل سبب یہی بنا کہ مسلمانانِ ہند کو ہندوؤں کی جانب سے ناانصافی اور استحصال ہی نہیں، اپنے جداگانہ ملی و قومی تشخص کے بالکلیہ خاتمے کا شدید "خوف" لاحق ہو گیا تھا۔ اور اس صورت حال کے پیدا ہونے میں جہاں بنیادی طور پر ہندوؤں (بالخصوص برہمنوں اور بنیوں کے عمومی مزاج اور مسلمانوں کی طویل غلامی سے پیدا شدہ ردعمل کو بھی دخل حاصل تھا، وہاں یقیناً انگریزوں کی "لڑاؤ اور حکومت کرو!" کی حکمتِ عملی نے بھی اس جلتی آگ پر تیل کا کام کر کے اس کی شدت اور اشتعال کو بڑھانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ اور اگر تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے وقت برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی کی حکومت ہوتی جس کی پالیسی میں اس "لڑاؤ اور حکومت کرو!" کی حکمتِ عملی کو اصول موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور جس کے دستاویزی شواہد خان عبدالولی خاں وقتاً فوقتاً پیش فرماتے رہے ہیں، تو شاید اس مفروضے کی تردید مشکل ہو جاتی کہ قیامِ پاکستان برطانوی سازش ہی کا نتیجہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ مطلق سے اپنی "تدبیر" کے ضمن میں اس مغالطے کا کلی سدباب اس طور سے کر دیا کہ تقسیمِ ہند کا فیصلہ برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت کے ہاتھوں کروایا جس کے لیڈروں کی مسلمانانِ ہند

سے بالعموم' اور مسلم لیگ اور اس کے قائد محمد علی جناح سے بالخصوص عداوت اور دشمنی اظہر من الشمس تھی! (چنانچہ یہی دلیل میں نے اپنے کالم میں بھی دی تھی' اور اسی پر پروفیسر عرفانی صاحب کے استدلال کی تان بھی ٹوٹی ہے!)

۳- اوپر احیاءِ اسلام' غلبۂ دینِ حق' اور عالمی نظامِ خلافت کے قیام کے جس طویل المیعاد خدائی منصوبے کا ذکر ہے' راقم کے نزدیک اس کا آغاز "الفِ ثانی" یعنی امتِ مسلمہ کی تاریخ کے دوسرے ہزار سال کے آغاز کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ (اگرچہ یہ صرف اللہ ہی کے علم میں ہے کہ اس کی آخری اور حتمی "تکمیل" میں ابھی مزید کتنی مدت باقی ہے!) چنانچہ عالمِ واقعہ میں اس منصوبے کی تعمیل کے ضمن میں جن اعاظم رجال کی محنتوں اور کاوشوں نے اہم ترین اور فیصلہ کن کردار ادا کیا ان میں سرِفہرست تو گیارہویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدّد الفِ ثانیؒ ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے بالکل بجا طور پر فرمایا ہے کہ۔ "وہ ہند میں سرمایۂ مِلّت کا نگہباں۔ اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!"۔ البتہ بعد کی دو صدیوں کے دوران اس خاکے میں ہمارے بہت سے بزرگوں نے اپنے خون اور پسینے سے رنگ بھرا اور اس منصوبے کو درجہ بدرجہ آگے بڑھانے میں اپنا حصہ ادا کیا۔ لیکن چودھویں صدی ہجری میں اس منصوبے کی اہم کڑی یعنی قیام پاکستان جن دو عظیم اشخاص کی مساعی کا مرہونِ منت ہے وہ ہیں علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح۔ جن کے مابین مثالی اتحاد و اتفاق' اور عمومی ہم آہنگی اور باہمی تعاون کے باوصف سوچ اور "اپروچ" کا ایک لطیف فرق بھی موجود ہے۔

۴- چنانچہ علامہ اقبال اصلاً ایک مفکر اور فلسفی اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ایک "وِژنری" تھے' اور ان کی اصل دلچسپی فکر اسلامی کی تجدید اور اس کے نتیجے میں نظامِ اسلام اور ملتِ اسلامی کے احیاء سے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں انہوں نے تقسیم ہند یا مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے قیام کی کوئی "تجویز" پیش

نہیں کی تھی بلکہ صرف یہ "پیشینگوئی" فرمائی تھی کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام "تقدیر مبرم" ہے۔ اور اپنی اس دلی آرزو کا اظہار کیا تھا کہ "اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی اصل تعلیمات پر جو بدنما پردے عرب ملوکیت (ان کے اپنے الفاظ میں "عرب امپیریلزم") کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل رخِ روشن دنیا کے سامنے پیش کر سکیں" یعنی اسلام کے اصل نظامِ عدلِ اجتماعی یا بالفاظِ دیگر نظام خلافت علیٰ منہاج النبوت کو دوبارہ دنیا میں قائم کریں۔ جبکہ قائداعظم کو اصل فکر مسلمانانِ ہند کے قومی تشخص کے بقا' اور ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کی حفاظت کی تھی جس کے لئے وہ کسی بھی قابلِ عمل منصوبے اور دستوری و آئینی تجویز پر غور کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ چنانچہ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ان کے ضمن میں وہ ہندو قوم کے عمومی مزاج' اور انڈین نیشنل کانگرس کی قیادت کے طرز عمل سے رفتہ رفتہ اور تدریجاً ہی مایوس ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن پلان کو' جو اصلاً مولانا ابوالکلام آزاد کے ذہن کی پیداوار تھا' قائداعظم نے قبول کیا تو جہاں یہ اس اعتبار سے ان کے سیاسی فہم و تدبر کا شاہکار تھا کہ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد کے تبدیل شدہ عالمی حالات کے پیش نظر برطانوی حکومت ہندوستان سے رخصت ہونے کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس موقع پر اگر ہم نے کسی نامناسب ضد یا ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو عین ممکن ہے کہ انگریز ہندوستان کی حکومت یکطرفہ طور پر کانگرس کے حوالے کر کے چلتے بنیں اور پھر یہ عقدہ لاینحل بن جائے۔ (اس پر مفصل بحث میں نے اپنی تالیف "استحکامِ پاکستان" میں کی ہے!) وہاں اس احتمال کی بھی کلی نفی نہیں کی جا سکتی کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تقسیم ہند ہی ہندو مسلم مسئلے کا واحد ممکن حل نہیں تھا' بلکہ وہ ایسی کسی بھی تجویز پر غور کرنے کے لئے کھلے دل اور ذہن کے ساتھ تیار تھے جس کے ذریعے مسلمانانِ ہند کے قومی تشخص کے بقاء اور ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کی

حفاظت کی ضمانت حاصل ہو سکے! چنانچہ اس اعتبار سے جناب دانیال لطیفی کے خیال اور پروفیسر اقبال احمد کی بتائی ہوئی بات قابلِ غور تو ہے ہی جزوی طور پر درست بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم! بہرحال میری جانب سے ان کا حوالہ ـــــ صرف اس حد تک تھا۔ جناب دانیال لطیفی کے تمام خیالات کو میرے سر مڑھ دینا بہت بڑی زیادتی ہی نہیں علمی خیانت ہے!

۵۔ تاہم میرے نزدیک اب ہمارے لئے اصل قابل غور چیز یہ تاریخی مباحث نہیں بلکہ یہ نہایت تلخ حقیقتِ واقعی ہے کہ قیام پاکستان کی صورت میں علامہ اقبال کی پیشینگوئی کے پورے ہو جانے پر لگ بھگ پونے سینتالیس سال (اور قمری حساب سے سوا اڑتالیس سال) گزر جانے کے بعد بھی اپنی کوتاہیوں اور بے عملی ہی نہیں بد عملی کے باعث ہم نہ ان کی اس آرزو کی طرف کوئی پیش قدمی کر سکے ہیں کہ پاکستان میں اسلام کے عادلانہ نظامِ اجتماعی کو بالفعل قائم کر کے (اور قائد اعظم کے الفاظ میں : "اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ پیش کر کے") نوعِ انسانی پر اللہ کے دینِ حق' اور محمد مصطفٰے ﷺ کی عالمی نبوت و رسالت کی جانب سے "اتمامِ حجت" کر سکیں۔ اور نہ ہی قائد اعظم کے اس خواب کی تعبیر دنیا کے سامنے لانے میں کامیاب ہو سکے ہیں کہ تقسیم ہند کی صورت میں پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات اسی نوعیت کے ہوں گے جیسے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ہم نے اپنے طرزِ عمل سے تاحال تو یہی ثابت کیا ہے کہ تقسیم ہند کے ضمن میں جو اندیشے نیشنلسٹ مسلمانوں کو بالعموم اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو بالخصوص لاحق تھے وہ درست ثابت ہوئے۔ اب اگر حکیم سعید صاحب نے پاکستان کے موجودہ عمومی حالات کا آئینہ نہایت دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ قوم کے سامنے رکھ دیا ہے تو اس پر آئینہ کو توڑ دینے اور آئینہ دکھانے والے پر ٹوٹ پڑنے کی بجائے بہتر روش یہ ہے کہ حالات کو سنوارنے اور اس ملک کے قیام سے جو اصل

مقاصد اس کے مصور و مفکر و مجوز (علامہ اقبال) اور بانی و معمار و مؤسس (قائداعظم) کے پیش نظر تھے ان کے حصول کی جانب پیش قدمی کی جائے!

۶۔ اسی طرح اگر حکیم صاحب موصوف کی تحریر کو' جو اولاً "نظریۂ پاکستان" کے سب سے بڑے دعویدار روزنامے میں شائع ہوئی تھی' میں نے بھی تحریکِ خلافت پاکستان کے نقیب جریدے "ندائے خلافت" میں اس لئے شائع کر دیا کہ چونکہ حکیم صاحب ایک غیر سیاسی اور غیر متنازعہ شخصیت ہیں' لہٰذا شاید کہ ملک و قوم کے ناگفتہ حالات پر ان کا دردمندانہ "مرثیہ" کچھ لوگوں کو اصلاح حال کے لئے کمربستہ کرنے میں مؤثر ثابت ہو سکے' تو اس کی بنا پر مجھے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم یا مولانا مدنیؒ کا معتقد اور مرید' بلکہ ایجنٹ قرار دے دینا بھی کسی طرح مبنی بر عدل و انصاف نہیں ہے!— جبکہ میں نے ہزار بار اعلان کیا ہے کہ مجھے ۱۹۱۲ سے ۱۹۲۰ء تک والے ابوالکلام آزاد سے تو بے حد دلچسپی ہے جس نے پہلے "الہلال" اور "البلاغ" ایسے جرائد اور پھر "حزب اللہ" کے قیام کے ذریعے اسلامیانِ ہند کے اس ملی و دینی جذبے کو جو اصلاً علامہ اقبالؒ کی ملی شاعری سے پیدا ہوا تھا ایک دعوت' تحریک اور تنظیم کی اولین صورت عطا کی اور اس اعتبار سے میں انہیں برملا اپنا "دادا پیر" تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ۱۹۲۰ء کے بعد والے "نیشنلسٹ ابوالکلام" سے مجھے کوئی دلچسپی تو کیا سرے سے بحث ہی نہیں ہے۔ اسی طرح مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں بھی میں نے بار بار وضاحت کی ہے کہ میں ان کے دینی علم و فضل' اور تقویٰ و تدیّن پر مستزاد انگریز کے خلاف ان کے سرفروشانہ جہادِ حریت کا تو یقیناً قائل بھی ہوں اور اس کے بنا پر ان سے ایک گونہ محبت اور عقیدت بھی رکھتا ہوں' لیکن ان کی سیاسی حکمت عملی سے نہ صرف یہ کہ شدید اختلاف رکھتا ہوں بلکہ اسے ان کے استاذ اور مربّی اور میرے نزدیک چودھویں صدی ہجری کے مجدّدِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی اس مجتہدانہ بصیرت کے بھی خلاف سمجھتا ہوں جو ان کے ۱۹۲۰ء کے بعض خطبات سے ظاہر

ہوتی ہے (اس موضوع پر مفصل بحث میری تالیف "جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی" میں موجود ہے!) ـــــ تاہم اس اختلاف کے باوجود میں ہرگز نہ انہیں ہندوؤں کا زر خرید سمجھتا ہوں نہ مولانا ابوالکلام آزاد کو' بلکہ دونوں کو اپنی رائے اور موقف میں مخلص سمجھتا ہوں۔ اور اس پر اگر کوئی مجھے گردن زدنی قرار دے تو مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہے!

۷۔ پروفیسر عرفانی صاحب نے سورۂ مائدہ کی آیت ۵۱ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۱۹ کے حوالے سے جو باتیں تحریر فرمائی ہیں وہ تو گستاخی معاف' ان کی "سخن فہمی" کے بارے میں کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں کرتیں۔ اس لئے کہ ان دونوں آیات میں صراحت کے ساتھ تذکرہ صرف یہود اور نصاریٰ کا ہے۔ گویا ان آیات کا مدلول اور مدّعا یہودیوں اور عیسائیوں کے حق میں تو "نصِ قطعی" کی حیثیت رکھتا ہے' جبکہ ہندوؤں اور دوسری غیر مسلم اقوام کے ضمن میں ان کا اطلاق فرمانِ نبویؐ "اَلکفرُ مِلّۃٌ وَاحِدَۃٌ" سے استنباط کے ذریعے ثانوی درجہ میں ہوگا۔ لہٰذا ان آیاتِ مبارکہ سے تو میرے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ ہمیں اب عالمی صیہونیت کے آلہ کار: مریکہ' اور اس کے خانہ ساز ادارے بلکہ خانہ زاد کنیز اقوامِ متحدہ سے صرفِ نظر کر کے مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک یعنی ایران' افغانستان' ترکستان' اور ان کے علاوہ بھارت اور چین کے ساتھ مفاہمت اور مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے۔ رہا ان کا یہ فرمانا کہ: "امریکہ پاکستان اور برِّ صغیر سے کوسوں دور ہے لہٰذا وہ برصغیر پر مادی تسلط قائم نہیں کر سکتا!" تو یہ ان کے موجودہ عالمی مالیاتی نظام اور اس کے اثر و نفوذ سے ناواقفیت نہیں تو ان تلخ حقائق کی جانب سے صرفِ نظر کا ضرور مظہر ہے۔ اس لئے کہ آج کی دنیا میں اگرچہ فاصلے بھی بے معنی ہو گئے ہیں' تاہم کسی مادی تسلط یا عسکری قبضہ اور براہ راست حکومت کے کھکھیڑ مول لینے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی ہے' جبکہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف ایسے اداروں کے ذریعے پوری دنیا پر ریموٹ کنٹرول کی صورت میں

بالواسطہ حکومت بھی کی جاسکتی ہے' اور سودی معیشت اور قرضوں کے جال میں پھنسا کر دور بیٹھے اور عوامی غیظ و غضب سے کلی طور پر محفوظ رہتے ہوئے قوموں اور ملکوں کی خون پسینے کی کمائی کی بالائی بھی با آسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

۸۔ "آخری' لیکن کمترین نہیں" کی مصداق وضاحت یہ ہے کہ یہ مجھ پر بہت بڑا بہتان ہے کہ میں پاکستان اور بھارت کے مابین سرحدوں کی دیوار کو گرانا چاہتا ہوں۔ میری تو پوری زندگی کی سعی و جُہد کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کر کے اولاً خود اسے مستحکم کیا جائے اور پھر اس انقلاب کی مشرق و مغرب میں توسیع کے ذریعے خدا کی مخلوق کو انسانی ذہن کے تراشیدہ ظالمانہ اور استحصالی نظاموں سے نجات دلا کر "رَبُّ النَّاس' اِلٰہ النَّاس اور مَلِکُ النَّاس" کے عادلانہ اور منصفانہ نظامِ اجتماعی کی نعمت سے بہرہ ور کیا جائے۔ البتہ بھارت اور پاکستان کے مابین مخاصمت — اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین منافرت میں کمی کی ہر کوشش میرے نزدیک نہ صرف اصولی اور اخلاقی اعتبار سے مستحسن ہے بلکہ مفکرِ و مصورِ پاکستان اور بانی و مؤسسِ پاکستان دونوں کے نظریات کے بھی عین مطابق ہے!

امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سُورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے'
قیمت اعلیٰ ایڈیشن: -/۳۰ روپے (مضبوط دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)
" اشاعتِ عام: -/۱۰ " (غیر مجلّد' دبیز اخباری کاغذ)
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن'

پاک بھارت کشیدگی :
انگریزوں کی گھناؤنی سازش

انگریزوں نے برِّعظیم پاک و ہند کے بعض حصوں پر ایک سو برس سے کچھ زائد' اور بعض پر لگ بھگ دو سو برس تک حکومت کی ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ مقدّم الذّکر علاقہ کا جزوِ اعظم موجودہ پاکستان ہے' اور مؤخّر الذکر کا اہم ترین حصہ مشرقی پاکستان تھا جو اَب بنگلہ دیش کی صورت میں موجود ہے۔ بہرحال اس عرصے کے دوران ہندوستان میں بسنے والوں کی چار پانچ سے لے کر آٹھ دس نسلوں تک انگریزوں کی غلامی میں گزریں۔ اب عمرانیات اور اجتماعی نفسیات کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی ملک پر کوئی بیرونی قوم اس طرح اور اتنے عرصے تک قابض و حاکم رہے تو طبعی طور پر محکوم قوم میں اس کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے' جو حصولِ آزادی کے وقت تو لازمی طور پر شدید ترین ہوتا ہے' خواہ بعد میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس میں کمی واقع ہو جائے۔ لیکن یہ ایک عجیب استثنائی معاملہ ہے کہ عین حصولِ آزادی اور تقسیم ہند کے وقت بھی انگریزوں کے خلاف نفرت نہ ہندوستان کے ہندوؤں میں تھی نہ مسلمانوں میں۔ بلکہ بڑے ملک یعنی بھارت نے تو آخری انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی کو اپنا پہلا گورنر جنرل بھی بنالیا تھا۔ اور یہی معاملہ پاکستان کا بھی ہو جاتا اگر قائد اعظم ماؤنٹ بیٹن کی اس خواہش کو بلا جھجک رَدّ نہ کر دیتے۔ اور یہ بھی میرے نزدیک یقیناً اُس خدائے بزرگ و برتر کی خصوصی مشیّت ہی کے تحت ہوا' جس کی شان یہ ہے کہ :"وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ "(الاحزاب : ۵۳)یعنی "اللہ کو حق بات کے کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی!" ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس صورت میں پاکستان کا بسترِ "اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے" کے مصداق دراز ہوتے ہی تہہ

ہو جاتا۔ مزید برآں یہ واقعہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ بعد میں بھی دونوں ملک طویل عرصے تک برطانیہ عظمیٰ کے زیر سرپرستی دولت مشترکہ میں شامل رہے' اور کافی عرصہ کے بعد ایک جذباتی مرحلے پر پاکستان نے اسے خیرباد کہا بھی تو بہت جلد اس پر اس کی جانب سے پچھتاوے کا اظہار ہوا۔

تو غور کرنا چاہئے کہ ع "ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا!" کے مصداق اس کا سبب کیا ہے؟۔

اس ضمن میں جہاں تک عین آزادیٔ ہند اور تقسیم ملک کے وقت کا تعلق ہے اس میں تو ہرگز کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ ع "یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں!" کے مصداق دونوں قوموں میں نفرت و انتقام کے جملہ جذبات ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی کشت و خون کی صورت میں ڈھل کر تحلیل ہو گئے اور سابق حاکم یعنی انگریز محکوم ہندوستانیوں کے اس طبعی ردِّ عمل سے صاف بچ کر نکل گئے۔ البتہ اس ہندو مسلم منافرت اور بد اعتمادی کے آغاز اور ارتقاء کے مختلف اسباب و عوامل اور ان کے مابین باہمی نسبت و تناسب کے بارے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی اعتبار سے تو جملہ اسباب و عوامل غالباً متفق علیہ ہی ہوں گے' تاہم ان کے تجزیئے کے ذریعے یہ تعیّن کرنا کہ ان میں سے کون سا عامل سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا بہت گہری تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔

ہندو مسلم منافرت کے وہ ممکنہ متفق علیہ عوامل حسب ذیل ہیں : (i) ہندوؤں کی عمومی تنگ نظری اور الگ تھلگ رہنے کا انداز' خصوصاً ان کا چھوت چھات کا نظام۔ (ii) برہمن کا سامراجی مزاج اور ویش اور کھتریوں کی چاپلوسانہ عیاری اور سود خوری کی وہ عادت جس کی بنا پر بنجمن فرینکلین نے یہودیوں کو خون چوسنے والی چمگادڑوں (VAMPIRES) سے تعبیر کیا تھا۔ (iii) مسلمانوں کی "ہزار سالہ" غلامی کا طبعی ردِّ عمل۔ اور "آخری لیکن کمترین نہیں" کے مصداق (iv) انگریزوں

کی "لڑاؤ اور حکومت کرو کی حکمتِ عملی" جو کنزرویٹو پارٹی کی تو یقیناً عادتِ ثانیہ تھی' البتہ لیبر پارٹی میں اتنی راسخ نہ تھی! ـــــ بہرحال ان میں سے کون سا عامل اہم ترین اور مؤثر ترین تھا اور ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا حصہ کتنا تھا' اگرچہ اس سوال کے واضح اور حتمی جواب کو فی الحال مستقبل کے محققین اور مؤرخین کے حوالے کیا جا سکتا ہے' تاہم اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ کم از کم برٹش راج کے آخری دور میں تو یقیناً آخری عامل ہی سب سے زیادہ مؤثر اور فیصلہ کن تھا۔

البتہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آزادی کے بعد بھی پاکستان اور بھارت کے مابین مسلسل دشمنی کی فضا اور ایک ایسی سرد جنگ کی کیفیت کیوں جاری رہی جس نے متعدد بار تو بالفعل آگ اور خون کی گرم بازاری کی صورت اختیار کی' اور ان کے علاوہ بہت سے مواقع ایسے بھی آئے کہ دونوں ملک سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے ان الفاظ کے مطابق کہ : "وَكُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" یعنی "تم تو آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے!" باضابطہ جنگ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے' یہ دوسری بات ہے کہ رحمتِ خداوندی نے اسی آیت کے اگلے الفاظ کہ : "فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" یعنی "تو اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی!" کی سی شان کے ساتھ بچا لیا' چنانچہ آج کل پھر اس سرد جنگ کے گرم بھٹی کی صورت اختیار کرنے کا امکان بہت قریب آ گیا ہے' اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے حالات کے پیش نظر پاکستان کے بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی رہنماؤں سمیت بعض صحافی اور دانشور بھی بار بار افواجِ پاکستان کو للکار رہے ہیں کہ "وہ اپنا فرض ادا کریں!" تو اس سوال کا جواب اگرچہ بالکل نوشتۂ دیوار کے مانند واضح ہے' تاہم سرحد کے دونوں جانب طالع آزما سیاستدانوں نے عوام کی جس نفسیاتی کیفیت کو پختہ کر دیا ہے اس کے باعث سب نے اس کی جانب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اب جبکہ دونوں قوموں کی وہ نسل جو حصولِ آزادی کے بعد پیدا ہوئی انسان کے ذہنی و نفسیاتی بلوغ کے سخت ترین

قرآنی معیار یعنی چالیس سال کی عمر سے بھی آگے نکل چکی ہے (سورۂ احقاف: آیت ۱۵) دونوں جانب کے اصحابِ علم و فہم اور اربابِ دانش و بینش اس امر پر سنجیدگی سے غور کریں کہ پاک بھارت تعلقات کے "بہتے دریا" میں دونوں ملکوں کے عوام کے نصیب کی "سیاہی" ہی نہیں ان کے خون کی سرخی بھی کون گھول رہا ہے؟ اور آیا اس کے ازالے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں؟۔

بھارت کے عوام اور ہمارے مابین تو یقیناً گوناگوں نوعیت کے نفسیاتی حجابات پر مستزاد بہت سی مادی فصیلیں بھی حائل ہیں' جن کی بنا پر ہماری بات کا ان تک پہنچنا بہت مشکل ہے' لہٰذا کیوں نہ اس سنجیدہ سوچ بچار کا آغاز ہم پاکستانی مسلمان کریں؟ اس لئے کہ ہمارے لئے تو یہ مسئلہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے دونوں سب سے بڑے علمبرداروں' یعنی مصور و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال' اور معمار و مؤسسِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح' نے تقسیم کے بعد کے حالات کے ضمن میں جو خواب دیکھے تھے وہ اس صورت حال کے بالکل برعکس تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں قائداعظم نے تو صرف یہ کہنے پر اکتفا کی تھی کہ "بھارت اور پاکستان کے تعلقات ایسے ہی ہوں گے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں"۔ لیکن علامہ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے خطبہ الٰہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) میں یہ تک فرمادیا تھا کہ "ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع مسلم ریاست ہر نوع کی جارحیت کے مقابلے میں ہندوستان کے دفاع کا فریضہ بہترین طور پر سرانجام دے گی' خواہ وہ جارحیت نظریات کی ہو خواہ ہتھیاروں کی!" تو غور طلب بات ہے کہ کیا ہمارے یہ دونوں مسلّمہ قائد' خاکم بدہن' بالکل بے بصیرت اور کودن تھے؟ کہ انہوں نے ہندو مسلم مفاہمت اور پاک بھارت تعاون کی جس سحر کی نوید سنائی تھی وہ نہ صرف یہ کہ فیض کے ان اشعار کے مصداق ابھی تک طلوع نہیں ہوئی بلکہ مستقبل میں بھی دور دور تک اس کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے :۔

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے دوست کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں!

اس گھمبیر سوال کا صاف و صریح اور حتمی و قطعی جواب صرف یہ ہے کہ نہ ہمارے قائد بے بصیرت تھے' نہ موجودہ صورت حال تقسیم کے فارمولے کا منطقی نتیجہ ہے' بلکہ اس پوری صورت حال کا واحد سبب مسئلہ کشمیر ہے جو انگریزوں کی عیاری' بد نیتی' خیانت اور بے ایمانی کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انگریزوں کو مسلمانانِ کشمیر کی "قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ" کے ساتھ کیا ازلی بغض اور خدائی بیر تھا کہ لگ بھگ سو سال پہلے تو انہوں نے اس پوری قوم کو ع "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" کے مطابق چند لاکھ ٹکوں کے عوض ہندو ڈوگروں کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اور پھر عین تقسیم کے وقت اولاً ایک انگریز یعنی ریڈ کلف نے اپنے بدنامِ زمانہ "اوارڈ" کے ذریعے ریاست جموں و کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی راہ ہموار کر دی جو نہ صرف یہ کہ تاریخی و جغرافیائی' اور مذہبی اور ثقافتی جملہ اعتبارات سے پاکستان کا جزوِ لاینفک اور خاص طور پر آبی وسائل کے نقطۂ نظر سے پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے' اور جو اس بنیادی اصول کے مطابق جو تقسیمِ ہند کے لئے طے ہوا تھا' یعنی یہ کہ مسلم اکثریت والے تمام "ملحق علاقے" پاکستان میں شامل ہوں گے' قطعی طور پر پاکستان کا حصہ بنتی تھی۔ اور بعد میں جب ریاست کے مسلمانوں نے بغاوت کی اور اس صریح بے انصافی اور بد دیانتی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا' اور پاکستان کے عوام اور بالخصوص قبائلی پٹھانوں نے ان کی مدد کی' اور اس مسئلے کے آخری حل کے لئے پاکستان کی فوج کی بس ذرا سی امداد کی کسر رہ گئی تھی' تو ایک دوسرے انگریز یعنی افواجِ پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے قائد اعظم کی

خواہش بلکہ حکم کے علی الرغم آڑے آکر اس حق تلفی کے فوری ازالے کا راستہ مسدود کر دیا۔ چنانچہ معاملہ یو این او کے سپرد ہوا اور پینتالیس برس سے اس کی فائلوں میں دفن پڑا ہے۔

وہ دن اور آج کا دن بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اور عوام اپنے سابقہ غیر ملکی حکمرانوں کے اس کردار کا مزہ چکھ رہے ہیں جو سورۂ بقرہ کی آیات ۲۰۴ اور ۲۰۵ کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

"بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حیات و معاملاتِ دنیوی میں ان کی (چکنی چپڑی) باتیں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنی نیتوں پر خدا کو گواہ بھی بناتے رہتے ہیں، حالانکہ وہ بدترین دشمن ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ پیٹھ پھیرتے ہیں (ذرا نوٹ فرمائیں یہ الفاظِ مبارکہ انگریزوں کی ہندوستان سے واپسی پر کس قدر عمدگی کے ساتھ چسپاں ہو رہے ہیں) تو زمین میں فساد برپا کرنے کی سعی کرتے ہیں تاکہ (اس کے ذریعے) زمین کی کھیتی اور انسانوں کی نسل کو ہلاک کر دیں!"

چنانچہ اس عرصے کے دوران بھارت اور پاکستان کے مابین کئی خونریز جنگیں بھی ہو چکی ہیں جن میں ہزاروں انسان ہلاک اور معذور ہوئے، لاتعداد عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے، اور ارب ہا ارب روپے کے مالی نقصان دونوں ملکوں کو ہوئے۔ مزید برآں عوام کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ بجائے عوامی بہبود اور تعلیم و ترقی کے مسلسل بڑی بڑی فوجوں کو "کھڑی" رکھنے اور مہلک اسلحہ کی خرید میں صرف ہوتا رہا۔ پھر ان کی باہمی چپقلش سے وقت کی دونوں سپر پاورز نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اگر پاکستان

نے اپنے "بچاؤ" کے لئے امریکہ کی "پناہ" حاصل کی تو بھارت نے روس کا دامن تھاما' اور اس طرح دونوں ملک ان کی سرد جنگ میں ملوث ہو گئے۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ سرد جنگ کے اصل فریقوں یعنی روس اور امریکہ کے مابین تو یہ جنگ ہمیشہ "سرد" ہی رہی' جبکہ بھارت اور پاکستان کے مابین اس کی بھٹی بار بار دھکتی رہی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کا مظہرِ اتم یہ ہے کہ اس پورے عرصے کے دوران بھی انگریز دونوں ملکوں کے نہ صرف مشترک دوست بلکہ مربّی و سرپرست' اور ناصح و ثالث بالخیر بنے رہے' اور آج بھی میر تقی میرؔ کے اس بدنامِ زمانہ شعر کے مصداق کہ۔

میرؔ کیا سادہ ہیں' بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطّار کے "لڑکے" سے دوا لیتے ہیں!

کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے ہمارے یہاں اکثر و بیشتر دہائی دی جاتی ہے انگریز کے سرپرست امریکہ کی' اور حوالہ دیا جاتا ہے اس کے خانہ ساز ادارے یو این او کی. قراردادوں کا۔

بہرحال اس ذہنیت اور طرز فکر پر تو "بایں عقل و دانش بباید گریست!" کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے' لیکن اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ آیا ہمیں واقعات و حوادث کے اس دریا میں جس کا رخ ہماری سادہ لوحی پر مبنی خوش اعتقادی اور حسن ظن' اور اغیار کی دشمنی اور عیاری کے باعث ایک خاص سمت میں موڑ دیا گیا تھا چار و ناچار بہتے ہی چلے جانا ہے' خواہ اس کے نتائج کتنے ہی مضر اور ہولناک ہوں' یا ہمت سے کام لے کر اس کے رخ کو بدلنے کی کوشش کرنی ہے!

پاک بھارت مفاہمت اور مسئلۂ کشمیر کا حل

ہندو مسلم منافرت اور پاک بھارت مخاصمت کے قدیم اور تاریخی اسباب کو بالکل ختم کر دینا تو ظاہر ہے کہ اب ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ "گیا وقت" تو منفی اور مثبت دونوں کہاوتوں کے اعتبار سے ہماری دسترس سے باہر ہے۔ یعنی ع "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!" اور "میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں!" لہٰذا پاک بھارت مفاہمت کی کسی بھی کوشش میں ہر اعتبار سے اولیت اور اہمیت موجودہ مسائل ہی کو دینی ہوگی جن میں سرِفہرست مسئلۂ کشمیر ہے۔

تاہم اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماضی سے متعلق بعض مزعومہ مسلّمات پر بھی کسی قدر تنقیدی نگاہ ڈال لی جائے کہ ان میں حقیقت کتنی ہے اور افسانہ آمیزی کتنی۔ اس لئے کہ اس سے مفاہمت کے لئے ذہنی تیاری میں مدد مل سکتی ہے۔

برہمن اور بنیئے کے بارے میں ہمارے یہاں جو تصورات پتھر کی لکیر کی مانند پختہ ہو گئے ہیں انہیں "زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" کے مصداق اگر کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے یعنی یہ کہ برہمن کا عمومی مزاج سامراجی ہے اور وہ یہودیوں کی مانند اپنے آپ کو ایک بالاتر اور برتر مخلوق گردانتا ہے اور بنیئے کی ذہنیت بھی بالعموم یہودیوں ہی کی ایک دوسری صفت یعنی سود خوری اور اس سے پیدا شدہ چاپلوسانہ عیاری کے کردار کا عکس ہے جس کی بہترین تعبیر "منہ میں رام رام بغل میں چھری" کے الفاظ سے ہوتی ہے، تب بھی ایک جانب تو یہ اٹل اصول ناقابلِ تردید ہے کہ ۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

گویا نہ سب برہمن ایک ہی مزاج کے حامل ہیں نہ تمام بنیئے ایک ہی سی سرشت رکھتے ہیں۔ (خاص طور پر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کی صورت میں جو "برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز" عطا فرمایا اس کی مثال بہت ہی نمایاں ہے!) اور دوسری جانب ہندو معاشرے میں کھشتری اور راجپوت بھی تو ہیں جن کی غیرت و حمیت، شرافت و مروت اور وسیع القلبی اور فراخ حوصلگی ضرب المثل ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر وہ پسماندہ قومیں بھی تو ہیں جو خود اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ستم رسیدہ ہیں اور اگرچہ ماضی میں تو وہ "بابندگی خُو گرفتہ" اور ع "ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے!" کی مصداقِ کامل بنی ہوئی تھیں لیکن اب ہندوستانی معاشرے میں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ شمالی ہند کی یوپی اور بہار جیسی کٹر ہندو ریاستوں میں ان ہی میں سے بعض یعنی "یادو" وزارتِ علیا پر بھی فائز ہو گئے۔ پھر تعداد میں بھی وہ بقیہ تینوں طبقات سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں!

اس ضمن میں لکھنؤ (یوپی، بھارت) سے شائع ہونے والے قدیم اور مؤقر دینی و علمی ماہنامے "الفرقان" کی ایک حالیہ اشاعت کے اداریہ کے حسب ذیل اقتباسات بہت اہم ہیں:

> "ایک غلطی بہت مدت سے ہم ہندوستانی مسلمانوں سے ہو رہی ہے اور اس کے بہت سخت نقصانات ہم اٹھاتے چلے آ رہے ہیں — وہ غلطی یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں بسنے والے اکثریتی فرقہ کو ایک "قوم" سمجھتے ہیں، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے — اس غلطی کا سب سے بڑا نقصان یہ رہا ہے کہ اسی کی وجہ سے ہم اس مرعوبیت اور احساسِ کمتری سے نکل نہیں پا رہے ہیں، جو ایمانی کمزوری کے علاوہ اپنی اور اس "قوم" کی تعداد اور سیاسی اور معاشی پوزیشن کے مابین زبردست فرق کو دیکھ کر ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے — واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی سماج وحدت کی کوئی بنیاد نہیں رکھتا — اس کو ایک متحدہ مذہبی تشخص عطا کرنے اور ان سب کو ایک گروہ بنا دینے اور اسے اکثریت کی

خلعتِ فاخرہ پہنا دینے کی سازش اصل میں انگریزوں اور برہمنوں کے اشتراکِ عمل کے نتیجے میں' اور ہماری سادہ لوحی اور یہاں کے سماجی و مذہبی نظام سے براہ راست ناواقفیت کی وجہ سے کامیاب ہوئی ہے — لیکن اب صاف طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ملک کے مظلوم طبقات ذِلت و غلامی کے طوق سے اپنی گردن آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان کے سماجی ڈھانچہ کو بدلنے اور برہمنی جبر و استبداد سے نکلنے کی آواز پہلی بار لگی ہے' پہلے بھی یہ کوشش ہوتی رہی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ اب جہاں تک پہنچ گیا ہے وہاں تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور شاید اب یہ بات آگے ہی بڑھتی جائے گی۔"

پھر ہمارے لئے تو سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بھارت میں صرف ہندو ہی تو آباد نہیں ہیں' مسلمان بھی ہیں' اور اگر بھارتی مسلمانوں کی عام رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ بھارت کو دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والا مسلمان ملک قرار دیا جا سکتا ہے۔ (عام سرکاری اعداد و شمار کی رُو سے بھی دنیا بھر میں صرف ایک انڈونیشیا ایسا ملک ہے جو بھارت سے زیادہ تعداد میں مسلمان آبادی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔) اور انگریزوں کی آمد سے قبل مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کے دوران بعض حکمرانوں اور مقتدر اشخاص کی ذاتی حرص و آزیا بوالہوسی کی بنا پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے انفرادی واقعات' اور ان کے ضمن میں بھی حقیقت اور افسانہ کے تناسب کی تحقیق سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد یا تصادم کی تاریخ موجود نہیں ہے۔ بلکہ صورت حال وہ رہی ہے جس کا نقشہ اسی "برہمن زادہ" نے ان الفاظ میں کھینچا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ ؎

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے' دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے

تو کیا یہ مسئلہ واقعتاً غور طلب نہیں ہے کہ ـــ "کون" معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں؟۔

اس مقام پر اس بات کا حوالہ بھی یقیناً دلچسپی کا موجب ہو گا کہ بھارت کے ایک ہریجن لیڈر پالانی بابا نے اپنے ایک کتابچے میں' جو ۱۴۔ عزیز ملک اسٹریٹ نمبر۵' مدراس' تامل ناڈو سے شائع ہوا ہے' ہندوؤں کے سرکردہ مذہبی رہنما پوری شنکر آچاریہ کے اس قول کے حوالے سے کہ "اچھوت ہندو نہیں ہیں!" یہ دعویٰ کیا ہے کہ بھارت میں "ہندو" اکثریت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں' اس لئے کہ بقول ان کے "بھارت کی کُل آبادی کے ۲۵ فیصد اچھوت ہیں' ۲۰ فیصد مسلمان ہیں' ۳ فیصد عیسائی ہیں' ۲ فیصد سکھ ہیں' اعشاریہ سات فی صد بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ اور اس طرح بھارت کی غیر ہندو آبادی کل آبادی کا لگ بھگ ۵۱ فیصد بن جاتی ہے۔"

مزید برآں' اس ضمن میں بھی بعض حقائق ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی تاریخ کے حوالے سے ان دونوں قوموں کے مابین تلخی کا زہر گھولنے کا سب سے مؤثر کام بھی بعض انگریز محققین اور مؤرخین ہی نے سرانجام دیا۔ جس کی سب سے نمایاں مثال ایودھیا کی بابری مسجد کا معاملہ ہے' اس لئے کہ اس کے بارے میں یہ تحقیق کہ یہ رام جنم استھان پر بنی ہوئی ہے ایک انگریز ہی کی جانب منسوب ہے۔ اور پھر ایک دوسرے انگریز یعنی سول جج نے بجائے مسئلے کو حل کرنے کے مسجد پر تالا ڈال کر اور مقدمے کو طول دے کر پورے معاملہ کو ایک ٹائم بم بنا کر رکھ دیا جو لگ بھگ سو برس بعد شدید ترین دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ اور ہندو مسلم کشیدگی میں ایک نئے باب کے اضافے کا ذریعہ بن گیا۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ بہرحال ان جملہ حقائق کے علی الرغم یہ بات اپنی جگہ بالکل کوہِ ہمالیہ کے مانند اٹل ہے کہ مسئلہ کشمیر کے

منصفانہ حل کے بغیر پاک بھارت تعلقات میں مستقل اور پائیدار بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل غور طلب بات یہ ہے کہ خود مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمارے پاس کون کون سے آپشن موجود ہیں' اور وہ کس کس حد تک قابلِ عمل بھی ہیں اور متوقع طور پر نتیجہ خیز بھی؟

سب سے پہلے جنگ کو لیجئے جس کی آج کل بار بار دہائی دی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فی الواقع اور خصوصاً بحالاتِ موجودہ کوئی قابلِ عمل حل ہے؟ کیا ہم جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں آج کی نسبت ۶۵ء میں کہیں زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے؟ پھر اگر اُس وقت کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی تو آج اس کی کتنی امید کی جا سکتی ہے؟

مسلمانانِ کشمیر پر بھارت کی ننگی جارحیت اور بے پناہ ظلم و بربریت کے خلاف پاکستان کی جانب سے کھلا اعلانِ جنگ صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے موقف کے مبنی برحق و انصاف ہونے کے ساتھ ساتھ سورۂ آل عمران کی آیت : ۱۶۰ کے ان الفاظ مبارکہ کے مطابق کہ : "اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ" یعنی "اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا" اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یقین بھی حاصل ہوتا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سودی معیشت کے نظام کو جاری رکھنے کے باعث خود ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں' لہٰذا فرمانِ نبویؐ : "وَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ؟" یعنی "ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟" کے مطابق ہمیں اللہ کی نصرت و تائید کی امید کیسے ہو سکتی ہے! بنابریں لے دے کر سارا معاملہ صرف مادی اسباب و وسائل کی کمیت اور کیفیت کا رہ جاتا ہے' جس کا تقابلی جائزہ اور موازنہ آئے دن اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس مستقل سنت کا مظہر ہے کہ: "کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ" (بنی اسرائیل : ۲۰) یعنی "ہم انہیں اور

انہیں (یعنی طالبانِ دنیا اور طالبانِ آخرت) سب کی آپ کے رب کے فضل و عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں!" کہ اس نے ہمیں اولاً ۱۷ء میں سابق صدر امریکہ 'آنجہانی رچرڈ نکسن کے دل میں وہ بات ڈال کر جسے اُس وقت اندرا گاندھی نے "پرو پاکستان ٹِلٹ" سے تعبیر کیا تھا' اس سے روسی وزیراعظم کوسی جن کو ہاٹ لائن پر الٹی میٹم دلوایا جس کے حکم کے تحت اندرا گاندھی نے "یک طرفہ جنگ بندی" کا اعلان کیا' جس کے نتیجے میں ہمیں بارگاہِ خداوندی سے "مَتَاعٌ اِلٰی حِیْن" یعنی مزید مہلتِ عمل مل گئی۔ پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا مظہر ہے کہ بعد میں اس نے ہمیں اپنے خصوصی فضل و کرم سے خالص معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت کے ذریعے ایک مؤثر ڈٹرنٹ عطا فرمادیا اور یہ بھی صرف اس لئے کہ اس کی حکمت و مشیت میں ابھی ہمارے "فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ" ("پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو!" الاعراف : ۱۲۹) والے امتحان کی مہلت اور مدّت ختم نہیں ہوئی ہے۔ جس پر ہمیں سورۂ انفطار کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ "یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ" یعنی "اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب (کی جانب سے مہلت کی طوالت کے باعث اس کے مکافاتِ عمل کے قانون) کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے؟" کے مصداق ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ سورۂ اعراف کی آیت ۳۴ اور سورۂ یونس کی آیت ۴۹ میں وارد شدہ الفاظ کے مطابق یہ مہلت کسی بھی لمحہ ختم ہو سکتی ہے۔ اور پھر جب یہ اچانک ختم ہو جائے گی تو اس میں مزید توسیع و تاخیر کسی طرح ممکن نہ ہو گی' بفحوائے : "فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ" (الاعراف : ۳۴) یعنی "پھر جب ان کی وہ معیّنہ گھڑی آجائے گی تو نہ یہ لوگ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے ہی کھسک سکیں گے!"

مزید برآں سب جانتے ہیں کہ یہ ایٹمی صلاحیت بھی صرف "ڈٹرنٹ" ہی ہے یعنی صرف بھارتی جارحیت کے خلاف ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اسے خود بھارت پر حملہ

کرنے کے لئے استعمال کرنے کا خیال جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ گویا نتیجے کے اعتبار سے یہ بھی جنگ کے "آپشن" کی نفی کے مترادف ہے!۔

رہا مسلمانانِ کشمیر کا سرفروشانہ اور بے مثال جہادِ حریت تو اس کے ضمن میں بھی جذبات سے ہٹ کر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کہ کسی کھلم کھلا اور ٹھوس بیرونی امداد کے بغیر آخر وہ اسے حکومت پاکستان کی صرف اخلاقی اور سفارتی مدد اور بعض نجی اداروں کی جانب سے چوری چھپے' اور وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ کے بقدر' امداد کے بل پر کب تک جاری رکھ سکیں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی بہت سے حلقوں' بالخصوص مذہبی گروہوں' کی جانب سے عوام کو بہت بڑے بڑے مغالطے دیئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اولاً جہادِ افغانستان کا حوالہ دیا جاتا ہے' حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ایک سپرپاور کی کھلم کھلا' اعلانیہ اور فیصلہ کن مالی اور جنگی مدد حاصل تھی (جس کی بہتی گنگا میں خود پاکستان کے بہت سے مقتدر افراد اور مذہبی جماعتوں نے خوب خوب ہاتھ دھوئے!)۔ لہٰذا کشمیر کے معاملے میں افغانستان کا حوالہ قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانیاً اس کے ضمن میں سورۂ نساء کی آیت ۷۵ کا حوالہ بھی بہت شدّ و مد کے ساتھ دیا جاتا ہے' یعنی :

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا' وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ○

"(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور و مجبور مردوں' عورتوں اور بچوں (کی مدد) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار پیدا فرما!"

لیکن اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مدینہ منورہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار' اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے پورے معاشرے میں اللہ کے دینِ حق کے عادلانہ نظام کو بالفعل قائم' اور اس کی شریعت کے احکام کو بہ تمام و کمال نافذ کر دیا تھا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جانب تاحال ہم کتاب و سُنّت کی کامل بالادستی کا قولِ ثقیل زبانی کلامی طور پر بھی' اور اس دور میں بھی ادا نہیں کر سکے جبکہ ہمارے ملک میں اس نام نہاد "اسلامی جمہوری اتحاد" کی حکومت قائم تھی جس میں ملک کی تقریباً تمام قابلِ لحاظ مذہبی جماعتیں شامل تھیں اور اس حکومت کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت بھی حاصل تھی جس کے ذریعے دستور میں بآسانی مطلوبہ ترمیم کی جا سکتی تھی۔ دوسری جانب خود ہمارے عوام کی عظیم اکثریت ایک طرف جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے تو دوسری طرف سودی معیشت کی پیدا کردہ شدید مہنگائی' افراطِ زر' اور بے کاری کی آگ میں جل رہی ہے' اور تیسری جانب سیاسی عدم استحکام نے ملک کی سلامتی اور سالمیت کو مخدوش' اور مہیب و ہولناک کرپشن اور کروڑوں اور اربوں کے غبن اور خرد برد نے ملک کو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچا دیا ہے۔

ان حالات میں سورۂ نساء کی متذکرہ بالا آیت کے حوالے سے "جہادِ کشمیر" کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو یا تو عوامی چندوں میں سے اپنے کمیشن کے حصول کا لالچ ہو سکتا ہے' یا اولاً اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت کے بالفعل نفاذ' اور پھر اپنے پورے ملک اور معاشرے میں اسلام کے نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا کھکھیڑ مول لئے بغیر ع "کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم!" کے مصداق "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" کے بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کا "حسین فریب" کھانے کا شوق ہو سکتا ہے ـــــ ورنہ ع "پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی!" کے مصداق کہاں سورۂ نساء کی اس آیتِ مبارکہ کے مخاطب اصحابِ رسول

(صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کہاں ہم پاکستانی مسلمان! ع "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!"

پاکستان اور بھارت کی کھلی جنگ یا مسلمانانِ کشمیر کے مسلح جہادِ حریت کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دوسرا آپشن یا متبادل راستہ یہ ہے کہ یو این او کے ذریعے' اور اس کی پینتالیس سال پرانی قراردادوں کے مطابق کشمیر میں استصواب کرانے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے خود بھی ایک جانب براہ راست دوبارہ یو این او کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور دوسری جانب اس کے ذیلی اداروں' جیسے مثلاً حقوقِ انسانی کے کمیشن وغیرہ کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو ہموار کرکے بھارت پر دباؤ بڑھایا جائے۔

یہ راستہ نظری اعتبار سے تو سب سے سیدھا اور اس قضیئے کے حل کے لئے بظاہر بالکل "صراطِ مستقیم" اور "سواء السبیل" کے مصداق نظر آتا ہے' لیکن اب سے تین چار سال قبل تک تو اس کی راہ میں یو ایس ایس آر کا ویٹو بھی حائل تھا' اور امریکہ کی عدم دلچسپی بھی سدِ راہ تھی' لیکن اب چونکہ ایک جانب خلیج کی جنگ اور یو ایس ایس آر کی تحلیل بلکہ تجہیز و تکفین کے بعد بظاہر ویٹو کا خطرہ بھی ٹل گیا ہے اور دوسری جانب امریکہ نے بھی گہری دلچسپی لینی شروع کر دی ہے' لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم ساری امیدیں اسی آپشن سے وابستہ کر دیں' لیکن نئی عالمی صورت حال میں یہ آپشن ہمارے لئے نہایت مہلک اور خطرناک بن گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ' جیسے کہ ع "جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے!" کے مصداق عالمی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے' اب امریکہ کو "سول سپریم پاور آن ارتھ" یعنی روئے ارضی کی واحد عظیم ترین قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور وہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح بروئے کار لانے کے لئے "نیو ورلڈ آرڈر" کے قیام کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے' جس کے لئے یو این او اس کے

خانہ ساز بلکہ "خانہ زاد" ادارے کی حیثیت سے آلۂ کار کا کام کر رہا ہے۔ اور چونکہ اب اس نیو ورلڈ آرڈر کے کلی تسلط کی راہ میں واحد عظیم طاقت جو کسی حد تک بالفعل سدِ راہ بنی ہوئی ہے وہ تو صرف چین ہے' البتہ ایک غیر اہم درجہ میں شمالی کوریا بھی ہے' اور سودے بازی اور بلیک میلنگ کی حد تک بھارت بھی' پھر عوامی جذبات کے اعتبار سے پاکستان بھی کسی حد تک سدِ راہ ہے' اور حکومت کی سطح پر فنڈامنٹلسٹ ہونے کے ناتے ایران بھی۔ مزید برآں مستقبل کے اندیشوں کے اعتبار سے افغانستان بھی امریکہ کے لئے "توجہ طلب" ہے تو روسی ترکستان کی حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلم ریاستیں بھی' لہٰذا امریکہ کو اس پورے علاقے میں "پولیس مین" کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے "اسرائیل" کی شدید ضرورت ہے!

اس تناظر میں اندھے کو بھی نظر آ سکتا ہے کہ ۔ "الٰہی خیر میرے آشیاں کی۔ زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی!" کے مصداق چچا سام کی نظریں کشمیر پر مرکوز ہو گئی ہیں کہ اسے بھارت اور پاکستان دونوں سے "واگذار" کرا کے یا تو ایسی "آزادی" عطا کر دی جائے جو ۔ "اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا۔ کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!" کی مصداقِ کامل ہو۔ یا انتداب کے نام سے کشمیر کے "میر" کو یو این او کی "زلفوں کا اسیر" بنا دیا جائے۔ اور اس طرح مشرقی ایشیا کے عین قلب میں ایک دوسرا "اسرائیل" قائم کر دیا جائے' جہاں سے بیک وقت چین' بھارت' پاکستان' افغانستان اور ترکستان سب کو کنٹرول کیا جا سکے۔

کشمیر کے بارے میں امریکہ کے یہ عزائم اگرچہ چند ماہ قبل امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسز رابن رافیل کے بیان دہی سے طشت از بام ہو گئے تھے تاہم اس سلسلے میں تفصیلی حقائق حال ہی میں بھارت کی دفاعی ریسرچ ٹیم کے سربراہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) افسر کریم کی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جس کے مطابق امریکہ کے "خود مختار کشمیر" کے اس منصوبے میں مقبوضہ کشمیر اور آزاد

کشمیر کے علاوہ لدّاخ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں' اور یہ کہ: "اس سلسلے میں امریکہ نے بھارتی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اپنی ایک خصوصی ٹیم جو ماہرین پر مشتمل ہے بھارت بھجوادی ہے!" چنانچہ فوری طور پر امریکہ کے ان "ماہرین" کا یہ کارنامہ بھی منصّۂ شہود پر آچکا ہے کہ "آل پارٹیز حریت کانفرنس" کے نام سے کشمیری مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں اور گوریلا گروپوں کا جو مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا ہے اس کے دستور میں "آزاد و خود مختار کشمیر" کو بھی ایک متبادل آپشن کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا ہے! مزید برآں' ہوا کے نئے رخ کا اندازہ درگاہ حضرت بال سرینگر میں ۳۲ دن محصور رہنے والے کشمیری لیڈر اور حریت پسند تنظیم "آپریشن بالاکوٹ" کے کمانڈر انچیف عمر خالد کے اس انٹرویو کے تیکھے انداز سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کی ۱۱/ مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ: "کشمیری پاکستان سے مایوس ہو گئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں خود مختاری کا نظریہ فروغ پانے لگا ہے" اور "پاکستان اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکتا تو اس سے الحاق کے لئے قربانیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے!" وقِس علٰی ذٰلک! جس پر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر غلام محمد صفی صاحب کو بھی کچھ بے بسی کے سے انداز میں کہنا پڑا کہ "کشمیری مجاہدین کی تنظیموں میں بھارتی ایجنٹ داخل ہو گئے ہیں!" بہرحال ع "قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا!" کے مطابق اس سے حالات کی سنگینی کا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس صورت حال میں عافیت اسی میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے اس دوسرے اور بظاہر سیدھے آپشن کا خیال قطعی طور پر ذہن سے نکال دیا جائے۔ ورنہ استصوابِ رائے کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی افواج کے دونوں کشمیروں سے انخلاء کے بعد ظاہر ہے کہ کشمیر کا مستقبل کُلی طور پر یو این او کے رحم و کرم پر ہو گا جس کے پردے میں امریکہ اس بندر کا روائتی کردار بآسانی ادا کر سکے گا جس نے دو بلیوں کے مابین روٹی

کی "منصفانہ تقسیم" کے بہانے پوری روٹی خود ہضم کرلی تھی جبکہ دونوں بلیاں منہ دیکھتی رہ گئی تھیں!

گویا مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں تھرڈ آپشن کو اختیار کرنا ہوگا جو بھارت یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کے ساتھ "آزاد و خود مختار کشمیر" کا تھرڈ آپشن نہیں' بلکہ پاک بھارت جنگ یا یو این او کی ثالثی کی بجائے پاکستان اور بھارت کے مابین براہِ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کا تھرڈ آپشن ہو! جس کے لئے دونوں ملکوں کے اصحابِ دانش و بینش کی حد تک تو زمین بہت کچھ ہموار ہو چکی ہے' لیکن دونوں ملکوں میں قائم انگریز کا موروثی پارلیمانی نظام سب سے بڑی سدِ راہ ہے۔ اس لئے کہ حکومتیں اگر مفاہمت اور اصلاحِ حال پر آمادہ ہوتی بھی ہیں تو دونوں ملکوں کی اپوزیشن پارٹیاں سینتالیس سال کے دوران سرحد کے دونوں جانب کے عوام کی راسخ ہو جانے والی اجتماعی نفسیات کو مشتعل کر کے کسی اقدام کو ناممکن بنا دیتی ہیں! جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ متعدد دو طرفہ مسائل کے ضمن میں معاہدات کی جملہ تفاصیل طے ہو جانے اور ان پر جانبین کے پوری طرح متفق ہو جانے کے باوجود ان پر دستخطوں کی نوبت نہیں آپاتی!

کاش کہ پاکستان اور بھارت دونوں کے عوام و خواص سب کو اس صورت حال کا صحیح صحیح اندازہ ہو جائے اور یہ دونوں ملک سو سالہ ہندو مسلم منافرت اور سینتالیس سالہ پاک بھارت مخاصمت کی "دیوارِ برلن" میں کوئی فیصلہ کُن شگاف ڈالنے کا انقلابی قدم اٹھا سکیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں انہیں صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کیا اِس وقت پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے؟ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد اور تحریک چلانا ضروری ہے یا نہیں؟

تحریکِ اسلامی انقلاب پاکستان کے استفتا کے جواب میں

مولانا سید جمال الدین کاظمی کی مبسوط تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

○ سوال : کیا پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہے یا نہیں؟

☆ جواب : فمنہ الصدق والصواب

الحمدُ للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ---- امابعد :

اس سوال میں دو لفظ قابل غور ہیں جن کو سمجھنے پر سوال کا جواب موقوف ہے۔

(۱) آئین (۲) نفاذ

آئین

آئین کسی ملک کے وہ بنیادی اصول ہوتے ہیں جن پر ملک کے تمام معاملات کا انحصار ہوتا ہے۔ آئین ملکی منافع و مصالح، اندرونی معاملات و بیرونی تعلقات، حاکم و رعایا کے تعلقات اور حقوق رعایا کی بہبود اور ان کے آپس کے معاملات و تنازعات، کاروبارِ معیشت و معاشرت وغیرہ کے اصولوں کا مجموعہ ہے۔

اسلامی آئین سے مراد وہ اصول و ضوابط ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر فرمائے ہیں' جن کی تشریح و توضیح معلمِ کائنات سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اسلامی آئین کے قرآن و سنت دو بنیادی ماخذ ہیں' ان ہی کی روشنی میں اجماع و قیاس و دیگر ماخذ شروع ہیں' لیکن قیاس و اجماع بہرحال و بہرصورت قرآن و سنت کے تابع ہوں گے تو مقبول اور صحیح ہوں گے ورنہ ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوگی۔

نافذ

نافذ لغت عربی کا لفظ ہے جس کا معنی یہ ہے: ایسا حکم جس کی فرمانبرداری کی جائے۔[1]

اس وضاحت کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آچکی ہے کہ نفاذ اور تدوین میں فرق ہے۔

اولاً: آئین پاکستان اسلامی نہیں ہے بلکہ عامتہ المسلمین کو محض دھوکہ دینے کے لئے اس میں قرار دادِ مقاصد وغیرہ کے رنگین الفاظ کو شامل کرکے اور چند لچھے دار عبارتیں لکھ کر اسلامی آئین کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے لوگوں کو گمراہ کرنے اور ان کی زبان بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ ضرورت تدوین و ترتیب کی نہیں بلکہ نفاذ کی ہے' کیونکہ اسلامی آئین قرآن و سنت کی صورت میں مدون و مرتب موجود ہے' اس کی تشریحات فقہاء اور ائمہ مجتہدین کر چکے ہیں' کیونکہ قانون اصولوں کے ایک ایسے مجموعہ کا نام ہے جس کو قومیں اپنی ضرورت کے مطابق ترتیب دیتی رہتی ہیں' ذہنی اور فکری ارتقاء کے ساتھ وہ بھی بہتر ہو جاتا ہے اور علمی و فکری انحطاط سے وہ بھی کمزور اور خراب ہو جاتا ہے' یعنی عام قوانین عام لوگوں کی حالت پر موقوف ہوتے ہیں' قومی تہذیب و تمدن اور فکری عروج و زوال کی علامت ہوتے ہیں' اس طرح ان میں ہر وقت رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ وہ انسانی دماغوں کی تخلیق ہوتے ہیں اس لئے وہ ان کے ہی تغیر و تبدل اور عدم ثبات کے عکاس ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلامی آئین و قوانین اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں جو خالق و مالک ہے' ہر قسم کے حوادث اور تغیرات سے پاک ہے' جس سے کوئی چیز غیب نہیں

---

[1] المنجد ص ۱۳۰۱' مفردات امام راغب ص ۵۲۰' مقاییس اللغہ ص ۴۵۸' ج ۵۔ المعجم الاعظم۔ لسان العرب۔ تاج العروس

بلکہ وہ علیم و خبیر ہے۔ ایسی ذات جو علم و حکمت کی خالق ہے اس کے مقرر کردہ اصول اور وہ بھی اپنی مخلوق کے لئے' تو کیا ان میں کوئی کمی یا خرابی رہ گئی ہوگی یا واقع ہو سکتی ہے۔ اپنی مخلوق کی ضروریات' احوال اور تقاضوں کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا کہنے والے لوگ کہ اسلامی نظام ترقی پذیر دور کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتا' نعوذ اللہ' اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے منکر ہیں۔ دور کی ترقی کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کو ہوائی جہاز کے بننے کا پہلے علم نہیں تھا؟ اور وہ دماغ جس نے ہوائی جہاز بنایا ہے اسے کس[۲] نے بنایا؟ اور پھر بھی اگر کوئی کور باطن اپنی ضد پر رہے تو بتایئے کہ جہاز اگر ترقی یافتہ دماغوں نے بنایا ہے تو اسے گرانا کون ہے' ترقی یافتہ دماغ اس کو حادثات سے محفوظ کیوں نہ کر سکے اور ایسے ہی ترقی یافتہ لوگ ابھی تک تقدیر سے کیوں محفوظ نہ ہو سکے؟ کیا موت کا علاج دریافت کر لیا گیا ہے یا بارش برسالی ہے؟ کیا چاند اور سورج کی رفتار میں فرق لا سکے؟ کیا بے نور آنکھوں کو انہوں نے منور کر لیا؟ اگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے تو ترقی اور تنزلی کا خالق بھی وہی ہے۔ اور کوئی زمانہ اور اس کے معاملات اس سے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں جبکہ ان کو وجود ہی اس نے عطا کیا۔ لہٰذا شریعت محکم ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور وہ ہی ہر دور ہر معاشرے کی ضروریات پر پوری اترتی ہے۔ اسے انسان کیا مدون کرے گا' وہ قرآن و سنت کی صورت میں مکمل مدون موجود ہے۔ اگر انسان اپنی ذہنی کمزوری کے باعث اس سے کسی معاملے کا حل نہیں سمجھ سکتا یا تلاش نہیں کر سکتا تو ان کی روشنی میں اجماع و قیاس کا راستہ موجود ہے لیکن وہ بھی قطعاً محدود جس کو قرآن و سنت کی حدود و قیود اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہوں۔ ایسی صورت میں کسی نئے آئین کی تدوین کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی اور اگر تدوین اپنی کمزوری کے باعث ضروری بھی سمجھی جاتی ہے تو عین قرآن و سنت کے مطابق کر لی جائے۔ لیکن آج تک پاکستان میں اسلامی آئین کی تدوین نہیں ہو سکی' چند دفعات میراث وغیرہ کے سلسلہ کی نافذ ہیں' اس کے علاوہ کچھ بھی اسلامی آئین نافذ نہیں۔ ضرورت تدوین کی نہیں بلکہ نفاذ کی ہے۔ اور نفاذ کا معنی جس طرح بیان کیا جا چکا ہے اس کے مطابق چند دفعات کے علاوہ پاکستان

---

۲ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات : ۹۶)

میں احکام خداوندی کی فرمانبرداری نہیں کی جارہی بلکہ ان کو مسخ کیا جارہا ہے۔ اور ظلم یہ کہ حدود اللہ میں بھی آج کے حکام ردوبدل کررہے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہیں ہے بالکل درست اور واقعہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ جہاں اقامتِ صلوٰۃ کے اہتمام کی بجائے تضییع صلوٰۃ کا اہتمام کیا جاتا ہو' جہاں عشر و زکوٰۃ کی بجائے ظالمانہ ٹیکسوں سے عوام کی کمر توڑی جارہی ہو' جہاں پردہ کا قانون نافذ نہ ہو' بے حیائی اور عریانی' فحاشی اور بے غیرتی کو سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ترقی دی جارہی ہو' جہاں غرباء و مساکین' یتامیٰ اور بیواؤں تک کے حقوق کا خیال نہ رکھا جاتا ہو' جہاں ارکان حکومت رمضان المبارک کی بے حرمتی کرنے میں جری ہوں' جہاں نظام عدل اور اکثر قوانین یہود و نصاریٰ کے جاری ہوں' ملک کے اعلیٰ مقتدر لوگ بے پردہ خواتین کی محفلوں میں شرکت کرتے ہوں' جہاں ثقافت کے نام پر تہذیب اسلامی کو تباہ کیا جارہا ہو' جس ملک میں مخلوط تعلیم و ملازمتیں جاری ہوں' جہاں بناتِ قوم کو لالچ کے ذریعہ بے پردگی پر مائل کیا جارہا ہو' ترقی کے نام پر اسلامی اقدار و اخلاق کو پامال کیا جارہا ہو' جس ملک کی پالیسیاں بے دین اقوام بناتی ہوں' جہاں نہ جہاد ہو اور نہ جہاد کی اسلامی شرائط' جہاں اعلاءِ کلمۃ اللہ کا اہتمام نہ ہو' جہاں کے حاکم اور عادل فساق معلن ہوں' عوام کی جان و مال محفوظ نہ ہو' ارکان حکومت عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں مبتلا ہوں' مساوات اور بنیادی انسانی حقوق کو تاخت و تاراج کیا جارہا ہو۔ رشوت' سفارش اور سود کی حکمرانی ہو' عدل و انصاف نیلام ہو رہا ہو' غیرت اسلامی کی بجائے کسل و جبن' خوف اور بخل کی بادشاہت ہو' قومی نفرتوں' لسانی اور صوبائی عصبیتوں کی خون آشامیاں عروج پر ہوں۔ جہاں سیاست مکاری اور فریب کاری' جبر و تشدد' جھوٹ اور وعدہ خلافی کے ستونوں پر قائم ہو' جہاں محبت کی جگہ نفرتوں نے لے لی ہو' جہاں اطاعت کی بجائے سرکشی اور تمرد کا راج ہو' ایسے ملک کے متعلق یہ کہنا کہ یہاں اسلامی نظام نافذ ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر اسلامی نظام نافذ ہوتا تو ملک و قوم اور حاکم و محکوم کی یہ حالت ہرگز نہ ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول [1] ہوتا اور عدل و انصاف کا بول بالا ہوتا۔

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۷۳ء کے آئین کی غیر اسلامی دفعات

۱۹۷۳ء کے آئین میں یوں تو اکثر غیر اسلامی دفعات ہیں' ہم نے سرسری جائزہ لینے کے بعد یہاں صرف چند ایسی دفعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے تاکہ سوال کے جواب میں مزید تقویت پیدا ہو سکے۔

عوام کی معاشرتی اور معاشی بہبود کے ذیل میں یہ شق ہے۔

"تمام ملازمین کے لئے بیمہ لازمی قرار دیا جائے گا"۔ [۴]

بیمہ کا غیر اسلامی ہونا' ملک کے مقتدر اہل فتویٰ علماء کی تصریحات سے واضح ہے' پھر ایک ناجائز چیز کو لازم قرار دینا کس قدر تکلیف دہ اور قابل مذمت ہے۔ بیمہ کے علاوہ بھی تو مزدوروں کی بہبود کے کئی اور ذرائع اختیار کئے جا سکتے تھے جو بیمہ سے زیادہ مفید بھی ہوتے ہیں اور اسلامی بھی۔

صدر مملکت کے انتخاب کی اہلیت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ذکر کی گئی ہیں :

- عمر ۴۵ سال سے کم نہ ہو۔
- پاکستان کا شہری ہو۔
- اس کا نام انتخابی فہرست میں موجود ہو۔
- اسے کسی بااختیار عدالت نے دماغی مریض نہ قرار دیا ہو۔ [۵]

۳؎ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف : ۹۶)

ترجمہ:۔ "اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی"۔

هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الانعام : ۱۵۶)

ترجمہ:۔ "اور یہ (قرآن) کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے' بابرکت ہے' سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

۴؎ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۴۲ و ۴۵' مطبوعہ مکتبہ فریدی کراچی

۵؎ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۴۵

ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے یہ شرائط قطعاً ناقص اور ناکافی ہیں۔ ان شرائط میں صدر کی تعلیمی اہلیت کے بارے میں کوئی شرط نہیں رکھی گئی۔ یعنی اگر کوئی انگوٹھا چھاپ شخص بھی منتخب ہو جائے تو وہ صدر بن سکتا ہے۔ ایک بینک کے ایڈمنسٹریٹر کے لئے بھی کم از کم گریجویشن شرط ہوتی ہے لیکن اسلامی ملک کے سربراہ کے لئے تعلیم کی کوئی شرط نہیں۔ جس شخص کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنے ایک حکم کے ذریعے کسی بھی قانون کو نافذ کر سکتا ہو یا کسی بھی قانون کو کالعدم کر سکتا ہو اس کے لئے احکام شرعیہ کا علم از بس ضروری ہے۔ احکام شرعیہ کے علم سے بے خبری کے بھیانک نتائج کی ایک مثال یہ ہے کہ چند سال قبل جب ٹی وی والوں نے "الہدیٰ" کے پروگرام میں مردوں اور عورتوں کی بے حجاب مخلوط نشست سے "الہدیٰ" کے مقرر ڈاکٹر اسرار احمد کو خطاب کی دعوت دی اور انہوں نے اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں غیر شرعی اجتماع سے خطاب نہیں کروں گا اور عورتوں نے اس پر جلوس نکالا اور جلسے کئے تو سابق صدر نے یہ کہہ کر ٹی وی کے مجوزہ پروگرام کی تصدیق کر دی کہ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار کی حکومت نہیں ہے' میری حکومت ہے۔[1]

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ "اسلام میں حکم دینے کا حق صرف اللہ کا ہے"۔

---

[1] اخبارات نے بالعموم اس واقعے کو جس انداز میں رپورٹ کیا اس سے بہت سے لوگوں نے یہی تاثر لیا کہ خواتین نے محترم ڈاکٹر صاحب کے خلاف جلوس اس لئے نکالا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے مخلوط نشست سے خطاب کرنے سے انکار کیا تھا۔ یہ دراصل دو الگ الگ واقعات ہیں جن کو جوڑ کر ایک واقعے کی شکل دی گئی۔ اصل بات یہ تھی کہ روزنامہ "جنگ" میں ڈاکٹر صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے صاف الفاظ میں یہ کہا تھا کہ "عورت کا اصل دائرہ کار گھر کی چار دیواری ہے' خواتین کا ایسے دفاتر میں کام کرنا جہاں مرد بھی کام کرتے ہوں' صریحاً خلاف اسلام ہے۔" ان دنوں ٹی وی پر "الہدیٰ" پروگرام بھی چل رہا تھا۔ کچھ مغرب زدہ خواتین نے اس انٹرویو کے رد عمل کے طور پر کراچی میں ڈاکٹر صاحب کے خلاف جلوس نکالا اور "الہدیٰ" کی بندش کا مطالبہ کیا--- باقی یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ "الہدیٰ" پروگرام کے آغاز میں ٹی وی انتظامیہ کا تقاضا تھا کہ سامعین میں مردوں کے ساتھ خواتین کو بھی شریک کیا جائے لیکن ڈاکٹر صاحب نے ایسے مخلوط ماحول میں درس دینے سے معذرت کی' بالآخر ٹی وی انتظامیہ نے ڈاکٹر صاحب کے اس موقف کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ (حاشیہ از ادارۂ میثاق)

اِن شرائط کے تحت منتخب ہونے والے صدور بچہ سقا کے قبیل سے ہی ہو سکتے ہیں۔ اتنا ناقص آئین تو شاید غیر اسلامی ممالک میں بھی نافذ نہ ہو گا' چہ جائیکہ اسلامی ریاست کا آئین۔

صدر کے فرائض واختیارات کے تحت لکھا ہے :

"صدر مملکت کو تنخواہ' رہائش اور دیگر ایسی سہولیات کے علاوہ.....وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں کسی عدالت کے سامنے جواب دہ نہیں۔ اس کے عہدے کی مدت کے دوران میں اس کے خلاف سول یا کریمینل کارروائی نہیں ہو سکتی' نہ ہی اسے مجرم گردانا جا سکتا ہے اور نہ اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کئے جا سکتے ہیں"۔[۷]

وزیر اعظم کے بارے میں لکھا ہے :

"وزیر اعظم اپنے اختیارات اور فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کسی عدالت کے سامنے جواب دہ نہیں ہو گا۔"[۸]

گورنر کے بارے میں لکھا ہے :

"گورنر اپنے فرائض کی ادائیگی کے ضمن میں کسی عدالت میں جواب دہ نہیں ہو سکتا۔"[۹]

نیز لکھا ہے :

"گورنر کے خلاف کسی عدالت میں ایسی کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی جس میں اسے مجرم گردانا گیا ہو اور نہ اس کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو سکتے ہیں دیوانی مقدمات میں بھی گورنر کے خلاف کارروائی نہیں ہو سکتی۔"[۱۰]

وزیر اعلیٰ کے بارے میں لکھا ہے :

۷۔ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۵۰

۸۔ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۴۵

۹۔ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۷۰

۱۰۔ آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۷۱

"وزیر اعلیٰ اپنے فرائض کی انجام دہی اور اختیارات کے استعمال کے لئے کسی عدالت میں جواب دہ نہیں ہوگا۔"[۱]

اسلامی قانون کی گرفت سے کوئی شخص بالاتر نہیں ہے' خواہ وہ صدر ہو' وزیر اعظم ہو' گورنر ہو یا وزیر اعلیٰ ہو۔ صدر کو عدالت سے تحفظ دینے کے سلسلے میں آئین کے اندر یہ توجیہہ لکھی ہے :

"یہ مراعات روایتی قسم کی ہیں اور ہمیشہ ہر دستور میں سربراہ مملکت کو دی جاتی ہیں۔ گویا اس صورت میں اس کی حیثیت برطانوی سربراہ مملکت کی سی ہے۔"[۲]

یہ اسلامی ریاست کا آئین ہے' برطانوی ریاست کا آئین نہیں' اس لئے اس آئین کے تحت صدر وغیرہ کو صرف وہی مراعات ملنی چاہئیں جو کسی اسلامی مملکت کے سربراہ کو مل سکتی ہیں۔

قومی اسمبلی کے بارے میں لکھا ہے:

"پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں سے قومی اسمبلی زیادہ بااختیار ادارہ ہے اور اسے قانون سازی اور مالی امور میں تقریباً فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔"[۳]

یہ ایسا بااختیار ادارہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ماہر علماء اور دانشوروں کے مرتب کردہ قوانین کو بھی منسوخ کر سکتا ہے۔ اور قومی اسمبلی کے وہ ممبران جن کی رائے سے ملک میں کوئی قانون بن سکتا ہے یا کوئی قانون منسوخ ہو سکتا ہے ان کی اہلیت کی شرائط آئین میں حسب ذیل بیان کی گئی ہیں۔

- پاکستان کا شہری ہو۔
- عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو۔

---

[۱] آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۷۴

[۲] آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۵۱

[۳] آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۵۵

○ اس کا نام انتخابی فہرست میں شامل ہو۔
○ کسی بااختیار عدالت نے اسے دماغی مریض نہ قرار دیا ہو۔ [۱۴]

ان شرائط میں تعلیمی قابلیت اور اسلامی علوم کا کوئی ذکر نہیں۔ کلرک بننے کے لئے بھی کم از کم میٹرک کی شرط ہے لیکن ملک کے سب سے زیادہ بااختیار قانون ساز ادارے کیلئے میٹرک پاس ہونے کی بھی شرط نہیں ہے اور پیسے اور اثر و رسوخ کے بل پر ایک انگوٹھا لگانے والے شخص کو بھی اس آئین میں کسی چیز کو جائز یا ناجائز قرار دینے کا حق دے دیا ہے۔

○ دوسرا سوال : اسلامی آئین کے نفاذ کی شرعی حیثیت اور ضرورت کیا ہے؟

☆ جواب :

قرآن مجید سے اسلامی آئین کی اہمیت

قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے اسلامی آئین کی شرعی حیثیت اور ضرورت واضح ہو جاتی ہے :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج : ۴۱)

"وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت عطا فرمائیں تو وہ نماز کا نظام قائم کریں' زکوٰۃ کا نظام قائم کریں' امر بالمعروف و نہی المنکر (احکامِ شرعیہ) کی تبلیغ کا نظام قائم کریں۔"

وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○---(المائدہ : ۴۲)

"اور جب آپ حکم بنیں تو عدل کے حکم ساتھ دیں' اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو

---

[۱۴] آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان' ص ۵۴

پسند کرتا ہے۔"

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ---(المائدہ : ۴۸)

"ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکامات کے مطابق حکم نافذ کیجئے اور اس حق (احکام الٰہیہ) سے تجاوز کر کے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔"

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ○--- (المائدہ:۴۹)

"ان لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نازل شدہ احکامات کے مطابق احکام نافذ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے اجتناب کیجئے کہیں وہ آپ کو آپ پر نازل کردہ بعض احکام الٰہیہ سے پھیر نہ دیں۔ اور اگر یہ روگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔"

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ○---(ص : ۲۶)

"اے داؤد ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنادیا پس آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ احکام دیجئے اور خواہش کی پیروی نہ کریں (کیونکہ خواہش کی پیروی) آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکا دے گی۔ بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے عذاب شدید ہے کیونکہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔"

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ ○---(التین : ۸)
"کیا نہیں اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟"

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ---(الانعام : ۵۷)
"حکم صرف اللہ کا ہے۔"

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ---(النساء : ۶۰)
"کیا یہ لوگ شیطان کو حاکم بنانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کے ساتھ کفر کریں۔"

اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○---(المائدہ : ۵۰)
"کیا یہ لوگ جاہلیت کے احکام (نافذ کرنا) چاہتے ہیں اور یقین کرنے والوں کے لئے اللہ کے احکام سے بہتر کس کے احکام ہو سکتے ہیں؟"

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○
(المائدہ : ۴۴)
"جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق احکام نافذ نہ کریں وہ کافر ہیں۔"

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○
---(المائدہ : ۴۵)
"جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق احکام نافذ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔"

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ O---(المائدہ : ۴۷)

"جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق احکام نافذ نہ کریں وہ فاسق ہیں۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ---(الاعراف : ۵۴)

"سن لو اسی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔"

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ---
(النساء : ۶۵)

"پس (اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ہے ان کے درمیان' پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا۔"

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O---(النور ۴۸)

"اور جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان میں (اللہ کے احکام) نافذ کریں تو اس وقت ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے۔"

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O---(النور : ۵۱)

"اور جب مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان میں احکام (الٰہیہ) نافذ کریں تو وہ کہتے ہیں ہم نے حکم سنا اور اس کو تسلیم کیا۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

احادیث سے اسلامی آئین کی اہمیت

حسب ذیل احادیث اور آثار سے اسلامی آئین کی ضرورت اور اہمیت واضح ہوتی ہے۔

عن نافع بن عمرو الطائی قال شهدتُ ابابکر وهو علی المنبر یقول: مَن ولّی من اَمر امةِ محمدٍ شیئًا فلم یقم فیهم بکتاب الله فعلیه لعنة الله [۱۵]

"نافع بن عمرو طائی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحالیکہ وہ منبر پر فرما رہے تھے: جو شخص امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانروا ہوا اور اس نے ان میں کتاب اللہ کے احکام نافذ نہیں کئے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

عن رافع الطائی عن ابی بکرٍ الصدیق انه خطب الناسَ فذکر المسلمین فقال: من ظلم منهم احدًا فقد اخفر ذمةَ الله ومن وَلیّ مِن امور المسلمین شیئًا فلم یعطهم کتابَ اللّٰه فعلیه لعنتُ الله [۱۶]

"رافع طائی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خطبہ دیتے ہوئے مسلمانوں کا ذکر کیا اور فرمایا: جس شخص نے کسی بھی مسلمان پر ظلم کیا اس نے اللہ کے ذمہ کو توڑ ڈالا اور جو شخص مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز ہوا اور اس نے کتاب اللہ کے احکامات نافذ نہیں کئے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

عن علی قال: حقٌّ علَی الامام ان یَحکم بمَا انزل الله

۱۵۔ علامہ متقی بن حسام الدین، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۵ ص ۷۵۲، مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت

۱۶۔ علامہ متقی بن حسام الدین، متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۵ ص ۷۵۲،

وَاَن یؤدی الامانۃَ فاذا فعل فحقٌ علی الناس ان یَسمَعُوالہ وان یطیعواوان یحیبواااذادُعُوا ۷۱ له

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سربراہ مملکت پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق احکام نافذ کرے اور امانت ادا کرے' جب ایسا کر لے تو لوگوں پر واجب ہے کہ اس کی بات سنیں' اس کا حکم مانیں اور اس کی پکار پر لبیک کہیں۔"

○ تیسرا سوال : اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی آئین نافذ نہیں تو اس ملک کے عوام' علماء اور مشائخ پر از روئے شرع کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے' نیز اس ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہونے کی صورت میں ان کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

☆ جواب :

اجتماعی نظام اور انفرادی عبادت میں فرق

اسلامی آئین اسلامی ملک کے قوانین اسلامیہ کی اساس ہے۔ اسلامی آئین نافذ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں وہ احکام شرعیہ نافذ نہیں جن کا تعلق مسلمانوں کے اجتماعی معاشرے سے ہوتا ہے۔ مثلاً جمعہ اور جماعت کو قائم کرنے کے لئے حکومت کا انتظام کرنا' زکوٰۃ کی وصولیابی کا انتظام کرنا' زکوٰۃ کو ان کے مصارف میں خرچ کرنے کا انتظام کرنا' حدود الٰہیہ کو قائم کرنا۔ جس میں شرابی پر اسی کوڑے' تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے' غیر شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سو کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے' چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے' مرتد کو قتل کیا جائے۔

ڈاکوؤں کے لئے اسلام نے چار سزائیں مقرر کی ہیں۔ قتل اور سولی' صرف قتل' ہاتھ

---

۷۱ علامہ متقی بن حسام الدین' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال ج ۵ ص ۷۵۲' مطبوعہ موسسہ الرسالہ بیروت

پاؤں کو کاٹنا اور شہر بدر کرنا' ڈاکوؤں کی مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے جاری ہوتی ہیں۔ اسی طرح قتل کے بدلے قتل کا نظام جاری کرنا' جس کو اصطلاح شرع میں قصاص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قتل خطا یا صلح عن عمد کی صورت میں دیات کا نظام' ان کے علاوہ اور دیگر دیوانی اور فوجداری معاملات میں ظالموں سے مظلوموں کے حقوق دلوانے کے لئے قضاء کا نظام قائم کرنا۔ یہ اسلام کے وہ احکام ہیں جن کا اجتماعی نظام کے ساتھ تعلق ہے۔

یاد رکھئے اسلام صرف انفرادی عبادات اور معاملات کا نام نہیں ہے۔ اسلام اجتماعی نظام کو لے کر چلتا ہے۔ یہ نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک اسلامی حکومت قائم نہ کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں اسی لئے اسلامی حکومت قائم کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جنازۂ رسول ﷺ کی تدفین اس لئے مؤخر کر دی تھی تاکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور مرکزیت فوت نہ ہو جائے۔ برِصغیر کی تقسیم بھی اسی لئے عمل میں لائی گئی تھی۔ اگر انفرادی طور پر نماز' روزہ کافی ہوتا تو ہم انگریز کی حکومت میں کیا بُرے تھے یا ہندوؤں کے ساتھ متحدہ وطن حاصل کرنے میں کیا قباحت تھی؟ بات صرف یہی تھی کہ دین اسلام ہم سے اجتماعی نظام کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے' حدود' قصاص اور تعزیرات کے نفاذ کا تقاضا کرتا ہے اور اسلام کا یہ مطالبہ اور تقاضا ہم اس وقت تک پورا نہیں کر سکتے جب تک کہ مسلمان ایک اسلامی حکومت قائم نہ کر لیں۔ اور اگر اسلامی حکومت قائم کرنے کے بعد بھی اسلام کے اس اجتماعی نظام کو قائم نہ کیا جائے تو اس حکومت کا کوئی مقصد نہیں۔

اجتماعی نظام کا شرعی حکم

جہاد اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کیا جائے' ہجرت اسی لئے فرض ہے کہ کافروں کے ملک میں رہ کر مسلمان اجتماعی نظام قائم نہیں کر سکتے۔ پس جس طرح مسلمانوں پر ہجرت فرض ہے' جس طرح جہاد فرض ہے' اسی طرح مسلمانوں پر اجتماعی نظام کے لئے سعی اور جدوجہد کرنا فرض ہے' خواہ عوام ہوں یا علماء۔ اور جو لوگ اس فرض کے تارک ہیں وہ لوگ ایک عظیم اور اہم فرض کے تارک ہیں۔ اب ہم ایسی احادیث کو پیش کر رہے

ہیں جن سے حدود و تعزیرات اور اسلام کے اجتماعی نظام کی اہمیت واضح ہوگی۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقيموا حدودَ الله في القريب والبعيد ولا تاخذكم في الله لومة لائم ----- (رواہ ابن ماجہ)[۱۸]

"حضرت عبادہ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب اور بعید میں اللہ کی حدود قائم کرو اور اللہ کی حدود قائم کرنے سے تمہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت باز نہ رکھے"

عن ابن عباس رضي الله عنهما: اذا ظهر الزنا والربوٰ في قرية فقد احلوا بانفسهم عذاب الله[۱۹]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب کسی شہر میں زنا کھلے عام ہونے لگے اور علی الاعلان سود کمایا جائے یا کھایا جائے تو وہ لوگ اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر دیتے ہیں۔"

○ **چوتھا سوال** : اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد اور تحریک چلانا کس قدر ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس جدوجہد میں مجروح یا مرجانے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟

☆ **جواب** : جب کسی اسلامی ملک میں کھلے عام حدودِ الٰہیہ کو پامال کیا جا رہا ہو' احکامِ الٰہیہ سے علی الاعلان بغاوت ہو رہی ہو' جوا' شراب' زنا' سود' قتل و غارت گری' لوٹ مار' ڈکیتی' رشوت' بے پردگی اور بے حیائی عام ہو جائے تو ضروری ہے کہ کچھ لوگ اقامتِ دین کے لئے اٹھ کھڑے ہوں' ورنہ پوری قوم گناہگار ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کی مستحق قرار پائے گی۔ اسلامی نظام کیلئے تحریک چلانے والوں کی موت عظیم شہادت ہے۔

---

۱۸ شیخ ولی الدین عراقی' متوفی ۷۴۲ھ۔ مشکوٰۃ ص ۴۱۳' مطبوعہ اصح المطابع دہلی

۱۹ علامہ متقی بن حسام الدین ہندی' متوفی ۹۷۵ھ' کنز العمال ج ۵ ص ۳۱۴' مطبوعہ بیروت

عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : سید الشہداء حمزۃ بن عبد المطلب ورجلٌ قام الی امام جائرٍ فأمرہٗ ونہاہ فقتلہ - صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[20]

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جو ظالم حاکم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس ظالم حاکم نے اس کو قتل کر دیا"
یہ حدیث صحیح ہے' امام بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔

حافظ الہیثمی طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

عن معاذ بن جبل قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول : الا انہ سیکون علیکم امراء یقضون لانفسھم مالا یقضون لکم فان عصیتموھم قتلوکم وان اطعتموھم اضلوکم' قالوا یارسول اللہ کیف نصنع قال: کما صنع اصحاب عیسی بن مریم' نشروا بالمناشیر وحملوا علی الخشب' موتٌ فی طاعۃِ اللہ خیرٌ من حیاۃٍ فی معصیۃِ اللہ[21]

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تم پر ایسے حاکم مسلط ہو جائیں گے جو اپنے لئے ایسے فیصلے کریں گے جو تمہارے لئے نہیں کریں گے اور اگر تم ان کی مخالفت کرو تو وہ تم کو قتل کردیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ہم اس وقت

---

۲۰ حافظ نورالدین علی بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ' المستدرک ج ۳ ص ۱۹۵' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ

۲۱ حافظ نورالدین علی بن الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ' مجمع الزوائد' ج ۵ ص ۲۲۸' مطبوعہ بیروت

کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم کے صحابہ نے کیا تھا' انہیں آروں سے چیر دیا گیا اور سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مرنا اس کی نافرمانی میں زندہ رہنے سے بہتر ہے"۔

ظالم اور فاسق حکمرانوں کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے مقام بیضاء پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یاایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من رأی سلطانًا جائرًا مستحلًا لحرام اللہ ناکثًا لعھد اللہ مخالفًا لسنۃ رسول اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم یغیر ما علیہ بفعلٍ ولا قولٍ کان حقًا علی اللہ ان یُدخِلہ مدخلہٗ' الاوان ھولاء قد لزموا طاعۃ الشیطان وترکوا طاعۃ الرحمان واظھروا الفساد وعطلو الحدود واستاثروا بالفیء واحلوا حرام اللہ وحرموا حلالہ.....وانکم لاتسلمونی ولا تخذلونی' فان اقمتم علی بیعتکم تصیبوا رشدکم' وانا الحسین بن علی ابن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ظالم حاکم کو دیکھا جو اللہ کے حرام کو حلال کرتا ہو' اللہ کے عہد کو توڑتا ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتا ہو' اللہ کے بندوں میں ظلم اور زیادتی کرتا ہو' اس کے بعد وہ شخص اپنے قول اور فعل سے اس ظالم حاکم کو بدلنے کی کوشش نہ کرے تو اللہ اس شخص کو اس کے ٹھکانے میں داخل کردے گا۔ سنو ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت کو لازم کر دیا اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی اور فساد ظاہر کیا اور حدود پامال کر دیں اور مال غنیمت کو اپنے ساتھ خاص کر لیا اور اللہ کے حرام کو حلال کر لیا۔ اور میں (اس حاکم کو بدلنے پر) دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مستحق ہوں' خصوصاً جبکہ تمہارے خطوط

اور پیغامات بھی میرے پاس آئے اب تم مجھے نقصان نہ پہنچاؤ اور مجھے رسوا مت کرو۔ اگر تم میری بیعت پر قائم رہے تو ہدایت پالو گے۔ میں علیؓ اور فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا حسین ہوں۔"

○ پانچواں سوال : اگر کسی اسلامی ملک کا سربراہ اسلامی آئین نافذ نہیں کرتا تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ نیز اس سے تعاون کرنا یا اس کی مخالفت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

☆ جواب :

اسلامی نظام نافذ نہ کرنے والے حاکموں کا شرعی حکم

دیکھنا یہ چاہئے کہ اس سربراہ کے پاس نظام اسلام کے نفاذ کے لئے طاقت، وسائل اور اختیارات ہیں یا نہیں۔ اگر اس کے پاس ایسی طاقت، وسائل اور اختیارات نہیں ہیں جن سے وہ نظام اسلام کو نافذ کر سکے تو از خود اس عہدے سے سبکدوش ہونا لازم ہے اور اس پر یہ لازم ہے کہ وہ یہ منصب کسی ایسے اہل شخص کے لئے خالی کر دے جو طاقت، اختیارات اور وسائل مہیا کر کے نظام اسلام کو نافذ کر دے۔ اور اگر وہ سبکدوش نہیں ہوتا تو مسلمانوں پر لازمی ہے کہ اس کو اس منصب سے اتار کر کسی اہل شخص کو اس منصب پر بٹھائیں اور اگر کسی اہل شخص کے ہوتے ہوئے مسلمانوں نے اس کو معزول کر کے اہل شخص کے ذمہ یہ منصب تفویض نہ کیا تو وہ سب گناہگار ہوں گے۔ امام حاکم نیشاپوری نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے :

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من استعمل رجلا على عصابة وفى تلك العصابة من هو ارضى لله عنه، وفى رواية الطبرانى : وهو يعلم ان فيهم من هو اولى بذلك واعلم منه

بكتاب الله وسنة رسوله فقد خان اللهَ ورسولَه وجماعةَ المسلمين [۲۲]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی شخص کو ایک جماعت کا امیر مقرر کیا اور اس جماعت میں اس سے بہتر شخص موجود تھا جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو زیادہ جانتا تھا اور اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ تھا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور جماعتِ مسلمین سے خیانت کی۔"

دوسری صورت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے حاکم کے پاس نظام اسلام نافذ کرنے کا پورا پورا اختیار ہو۔ کوئی رکاوٹ یا مانع نہ ہو لیکن وہ ہوائے نفس کی بناء پر نظام اسلام کو نافذ نہ کرے۔ پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ اجتماعی کوشش اور جدوجہد سے ایسے حاکم کو معزول کر دیں اور اپنے کندھوں سے اس کی طاقت کا جوا اتار پھینکیں۔ ایسے حاکم سے تعاون کرنا اور اس کی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے اس کے ہاتھ بٹانا اور اس سے نفرت اور عداوت نہ رکھنا شرعاً حرام ہے۔

اسلام کے احکام نافذ نہ کرنے والے اور جبراً حکومت کرنے والوں کے متعلق احادیث:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : انها ستكون امراء يعرفون وينكرون فمن نابذهم نجا ومن اعتزلهم سلم ومن خالطهم هلك [۲۳]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایسے حکمران ہوں گے جو اچھے اور برے کام کریں گے سو جس شخص نے ان سے دشمنی رکھی وہ نجات پا گیا جو ان سے الگ رہا وہ سلامت رہے گا اور جو ان سے مل جل کر رہے گا وہ ہلاک ہو جائے گا"

حافظ الہیثمی طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

---

۲۲ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری، متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۹۳

۲۳ المستدرک، ج ۴ ص ۸۶

عن اوس بن شرحبیل احد بنی اشجع انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام[۲۴]

"حضرت اوس بن شرحبیل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ظالم کے ساتھ مدد کرنے گیا اور جانتا تھا کہ یہ ظالم ہے وہ اسلام سے نکل گیا۔"

عن حذیفۃ بن یمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اھل الجور واعوانھم فی النار[۲۵]

"حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظالم (حاکم) اور ان کے مددگار جہنم میں ہوں گے۔"

عن عائشہ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ستۃ لعنتھم لعنھم اللہ وکل نبی یجاب: المکذب بقدر اللہ والزاید فی کتاب اللہ والمتسلط بالجبروت لیذل ما اعز اللہ ویعز ما اذل اللہ والمستحل لحرام اللہ والمستحل من عترتی ما حرم اللہ والتارک لسنتی[۲۶]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ شخصوں پر میں نے لعنت کی ہے 'اللہ ان پر لعنت کرے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (۱) تقدیر کا انکار کرنے والا (۲) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (۳) جبرا حکومت کرنے والا تاکہ اسے عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلیل کرے جس کو اللہ نے عزت دی (۴) اللہ کے حرام کو حلال کرنے والا (۵) میرے اہل بیت میں جن کاموں کو اللہ نے حرام کیا ان کو حلال کرنے والا (۶) میری سنت کو ترک کرنے والا"۔

---

۲۴ کنز العمال، ج ۵ ص ۷۹۳ — ۲۵ مجمع الزوائد، ج ۴ ص ۲۰۵
۲۶ المستدرک، ج ۴ ص ۹۰

○ چھٹا سوال : کیا پاکستان میں مروّجہ طریقہ انتخاب اسلامی ہے یا کہ نہیں؟ اس میں امیدوار اپنے آپ کو عہدے کے لئے پیش کرتا ہے' اپنی کامیابی کے لئے مہم چلاتا ہے اور اس مقصد کے لئے دھاندلی' جعلی ووٹنگ' ووٹوں کی خرید و فروخت' نتائج کی تبدیلی جیسے امور سے کام لیتا ہے۔ نیز اسلامی طریقہ انتخاب کیا ہے؟

☆ جواب :

بدعنوانیوں پر مشتمل طریقہ انتخاب پر شرعی حکم

یہاں دو چیزیں قابل غور ہیں' ایک پاکستان کا آئینی اور اصولی طریقہ انتخاب اور ایک وہ طریقہ جو پاکستان میں عملاً رائج رہا ہے۔ ہر چند کہ پاکستان کے آئینی طریق انتخاب میں دھاندلی اور جعلی ووٹنگ اور دیگر بدعنوانیوں کی اجازت نہیں ہے لیکن چالیس سال کے دوران جو انتخاب ہوتے رہے ہیں ان کی عملی صورت کم و بیش یہی رہی ہے اور اس کے ناجائز اور غیر اسلامی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

پاکستان کے آئینی طریقہ انتخاب کا شرعی حکم

پاکستان کے آئینی طریقہ انتخاب میں دو چیزیں لائق بحث ہیں۔ ایک یہ کہ امیدوار اپنے آپ کو قومی یا صوبائی اسمبلی کے لئے پیش کرتا ہے اور اس کے لئے مہم چلاتا ہے اور اس چیز کو آئینی اور قانونی تحفظ حاصل ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ امیدوار کے لئے تعلیمی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرط نہیں ہے جس کے نتیجہ میں ایک جاہل اور چھٹا ہوا بدمعاش بھی پیسے اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی بن جاتا ہے۔ اور ملک کے بہترین علماء جس قانون کے جائز یا ناجائز ہونے کی سفارش کرتے ہیں اس کے منظور ہونے یا مسترد ہونے کا فیصلہ جاہل اور فاسق و فاجر ممبروں کی رائے پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے پاکستان کے مروجہ انتخاب میں امیدوار کے لئے تعلیمی قابلیت اور صالحیت کی شرط نہ لگانا اس کے غیر اسلامی اور غلط اور باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

طلبِ منصب کی تحقیق

رہا دوسرا امر یعنی امیدوار کا اپنے آپ کو منصب کے لئے پیش کرنا تو یہ اسلام میں جائز نہیں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو اپنے آپ کو مصر کی حکومت کے منصب کے لئے پیش کیا تھا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی معصوم ہوتے ہیں۔ ان کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال اور مراتب و مدارج کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں، جب کہ عام آدمی کا تقویٰ یقینی و قطعی نہیں ہوتا بلکہ وہ ظنی ہوتا ہے اور ظن و تخمین کی بنیاد پر قطعی امر پر قیاس درست نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے طلب مرتبہ پر قیاس یوں بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ اسلام سے پہلے کی شریعت تھی، جب کہ ہماری شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور یہ ممانعت بکثرت احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی موسٰی قال: دخلتُ علی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم انا ورجلان مِن بنی عمی فقال احدُ الرجلین: یارسول اللہ اَمِّرنا علی بعض ماولاک اللہ عزوجل، وقال الاخر مثل ذلک، فقال: اناواللہ لانولی علی ھذا العمل احدا سالہ ولا احدا حرص علیہ [۲۷]

"حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عم زاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں آپ کی ولایت میں دی ہیں ان میں سے بعض کا امیر ہمیں بنادیں۔ دوسرے نے بھی اسی طرح کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بخدا ہم کسی ایسے شخص کو امیر نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا یا امارت کی حرص کرے گا۔"

۲۷ امام مسلم بن الحجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۰، مطبوعہ اصح المطابع کراچی

یہ کہا جاتا ہے کہ ضرورت کے وقت جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو اہل ہے اس کا برائے خدمت منصب طلب کرنا جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے کیونکہ یہ نظریہ ضرورت پر مبنی ہے۔ لیکن جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز کی گئی ہو اس کو ضرورت کی حد تک رکھنا صحیح ہے' اس کو عام رواج بنالینا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً جب کوئی اور کھانے کی چیز نہ ملے تو ضرورت کی وجہ سے خنزیر اور شراب کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنالے اور ضرورت کا حوالہ دے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور ہمارے یہاں یہی صورت حال ہے کہ پاکستان میں جتنے بھی حلقہ ہائے انتخاب ہیں ہر حلقہ سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوئے ہیں' تو کیا ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لئے یہ دس کے دس کھڑے ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات زیادہ سے زیادہ صرف ایک کے لئے کہی جا سکتی ہے اور باقی نو کا منصب کو طلب کرنا ناجائز ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں پاکستان کے آئین میں انتخاب میں طلبِ منصب کی اجازت دینا غیر اسلامی ہے اور بکثرت احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ اسلامی انتخابات سے اگر یہ مراد ہے کہ خلفاء راشدین کا جس طرح انتخاب ہوا اس طرح سے انتخابات کروائے جائیں تو اس اعتبار سے یہ طریق انتخاب غیر اسلامی ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے دور میں صرف سربراہ مملکت کا انتخاب ہوا ہے اسمبلیوں کا نہیں' اور انتخاب کرنے والے ارباب حل وعقد تھے جب کہ ہمارے ہاں پاکستان میں براہ راست قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کا انتخاب ہوتا ہے اور یہ لوگ ارباب حل وعقد ہوتے ہیں نہ اسلامی علوم اور صالحیت سے متصف ہوتے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مؤثر ذرائع اختیار کرنا ضروری ہے جن کے ذریعہ اسلامی نظام کا نفاذ یقینی بن جائے' لیکن مروجہ طریقہ انتخاب جس کو چالیس سال سے بار بار آزمایا جا چکا ہے اور اس کے ذریعہ آج تک اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکا اسی کو ذریعہ بنائے رکھنا عقلاً بھی باطل ہے' کیونکہ یہ انتخابات خرابیوں کا مجموعہ ہیں' بے شمار ناجائز کام ان میں پائے جاتے ہیں۔ اسلام نے کبھی بھی ہر کس وناکس کو ووٹ کا حق نہیں دیا بلکہ کبھی

بھی عمومی انتخابات نہیں ہوئے۔ اسلامی جمہوریت میں بھی صرف اس قدر ہوا کہ خلیفہ کو اہل حل و عقد نے اپنی رائے سے منتخب کیا اور ان کے اتفاق کے بعد خلیفہ کے لئے عمومی بیعت لی گئی۔ کچھ لوگ ناسمجھی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ بیعت اور ووٹ ایک ہی چیز ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے' کیونکہ ہر ووٹر کو اپنی رائے دینے کا اختیار ہوتا ہے اور وہ کسی فرد کو منظور یا مسترد کر سکتا ہے' جس طرح آج کل کے ووٹوں میں ہر ووٹر کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اسلامی جمہوریت کے طریقہ میں کیا کسی شخص کی خلافت پر اہل حل و عقد یعنی اہل الرائے حضرات کے اتفاق کے بعد کسی کو بیعت نہ کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں' ہرگز نہیں! بلکہ اہل الرائے کے اتفاق کے بعد تمام لوگوں کو خلیفہ کی بیعت کرنا لازمی ہو جاتا ہے اور جو شخص بیعت نہیں کرتا وہ گناہگار ہوتا ہے۔ پھر عمومی بیعت بالواسطہ یا بلاواسطہ تمام رعایا سے لی جاتی ہے اور انکار کی کسی کو اجازت نہیں ہوتی۔ بیعت علی الاعلان ہوتی ہے جب کہ ووٹ خفیہ استعمال ہوتا ہے۔ کسی منتخب ہونے والے کے خلاف ووٹ استعمال کرنے والا آئندہ اس کی مدت عہدہ مکمل ہونے تک اس کی مخالفت پر کمربستہ رہتا ہے۔ لیکن بیعت میں اس قسم کا کوئی جواز نہیں۔ ایسی صورت میں کیا ووٹ اور بیعت میں واضح فرق ہے یا نہیں؟ اتنے عظیم فرق سے آنکھیں موند لینا کہاں کی دیانت ہے۔ آج کی سیاسی پارٹیاں اقتدار کی کرسی کو دیکھتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہیں اور پھر اتحادوں کا سیلاب آجاتا ہے۔ ایسی پارٹیاں جو اسلام کے نام پر قائم ہیں' کچھ نے تو اپنی پارٹیوں کے نام بھی اسلامی رکھ دیئے ہیں اور ایسی پارٹیوں سے کچھ لوگ منتخب ہو کر ایوانوں تک پہنچے اور وزارتوں تک بھی پہنچے' کیا انہوں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کیا خدمات انجام دیں؟ اب ایسی جماعتوں کے اتحادوں کا زور ہے جس میں ایک اشتراکی ہے اور دوسری اسلام کی دعویدار' معلوم نہیں ان کا اتحاد کس نقطہ پر ہوا۔ واضح ہے کہ وہ نقطہ صرف اور صرف حصول اقتدار ہے یہ وہ دھوکہ ہے جو عوام کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو بھی دینے کی کوشش کی جارہی ہے' حالانکہ اللہ تعالیٰ تو دھوکہ بازوں کی چالوں سے باخبر ہے۔ اسلام کے پاکیزہ نام کو محض اقتدار کے لئے استعمال کرنے والوں سے انتہائی ہمدردانہ عرض کرتا ہوں کہ

(باقی صفحہ ۷۸ پر)

امیرِ تنظیم اسلامی کا دورۂ کراچی

حق کے ساتھ اگر باطل کا وجود نہ ہو تو حق نمایاں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح صحت کے ساتھ بیماری نہ ہو تو صحت پر انسان شکر ادا نہیں کر سکتا۔ جس طرح ایک فرد بیمار ہوتا ہے تو اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے اسی طرح جماعتوں میں بھی جب کوئی بیماری آجاتی ہے تو اس کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ چوکنا ہو جائے اور اس کا فوری تدارک کرے۔ چونکہ افراد سے جماعت بنتی ہے اس لئے ایک فرد کے بیمار ہونے سے جماعت پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بعض بیماریاں متعدی ہوتی ہیں لہٰذا ان پر فوری توجہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ذرا سی غفلت سے یہ مرض جماعت کے افراد میں پھیل جاتا ہے جس سے جماعت زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ افراد میں مایوسی اور بددلی پھیل جاتی ہے جس کی وجہ سے انتشار برپا ہو جاتا ہے۔

انسانی سوچ پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا سکتا۔ پھر جس معاشرے میں ہم لوگ آباد ہیں ہمیں وارثت ہی میں کچھ ایسی بیماریاں معاشرے سے ملی ہیں' پھر شیطان یہ کب گوارا کرتا ہے کہ کوئی اسلامی تحریک معاشرے میں اثر و نفوذ کرے۔ لہٰذا وہ بھی بیماریوں کے جراثیم جماعت کے افراد میں انجیکٹ کرتا رہتا ہے۔ امیر جماعت کی یہ بالغ نظری ہے کہ وہ اس بیماری کو ابتدا ہی میں بھانپ لیتا ہے اور فوری طور پر اس کا تدارک کرتا ہے۔ اس دورے کا اصل مقصد یہی تھا کہ تنظیم کے افراد میں اگر کچھ جراثیم داخل ہو گئے ہیں تو ان کی نشاندہی کی جائے اور ان کا علاج کیا جائے' کیونکہ بروقت علاج ہی ان کا بہترین تدارک ہے۔

منتظم رفقاء جو تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں ان کا اجلاس بعد نماز مغرب تنظیم اسلامی ضلع وسطی کے دفتر میں بلایا گیا تھا۔ اس سے قبل نماز عصر جامع مسجد فاروق اعظم میں ادا کی گئی۔ اور بعد نماز امیر محترم نے جناب قاضی عبدالقادر صاحب کی دختر نیک اختر کا نکاح پڑھایا اور اس ضمن میں ایک مختصر خطبہ بھی موقع کی مناسبت سے دیا۔

شادی اور بیاہ کی تقریبات کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی جو تحریک آپ نے آج سے پندرہ سال پہلے شروع کی تھی اب وہ برگ و بار لا رہی ہے۔ رفقائے تنظیم تو اس کی عموماً پابندی کر ہی رہے ہیں اب دوسرے لوگ بھی اس کی افادیت کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ محترم قاضی صاحب نے شرکاء مجلس کو امیر محترم کا کتابچہ "ایک اصلاحی تحریک" خوبصورت سرورق کے ساتھ تحفہ میں دیا۔

مغرب سے قبل امیر محترم تعزیت کے لئے چودھری عبدالمقتدر مرحوم کے گھر گئے۔ ملتزم رفقاء کی نشست بعد مغرب شروع ہوئی جس کا اختتام رات ساڑھے گیارہ بجے ہوا۔ جس طرح انسان اپنی صحت کے لئے چوکنا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً مختلف ٹیسٹ کراتا رہتا ہے تاکہ کوئی بھی وائرس چپکے سے اس کے جسم میں داخل ہو کر اس کے صحت کے نظام کو چوپٹ نہ کر دے' اسی طرح جماعتوں میں بھی مختلف "وائرس" چپکے سے داخل ہو جاتے ہیں اور اس کے اندرونی نظام کو مفلوج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی ابتداء نجوی سے ہوتی ہے۔ یہ "نجوی" یعنی سرگوشی بڑے معصومانہ انداز سے شروع ہوتی ہے اس کے زہر کے اثرات کو بعض اوقات محسوس نہیں کیا جاتا مگر یہ چپکے چپکے "سرطان" کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ "روگ" خیر خواہی کے نام پر بھی داخل کیا جاتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ نئی بات کو فوراً قبول کر لیتا ہے' پھر اشکالات تو ذہنوں میں اس طرح راہ پاتے ہیں جس طرح سیلاب زمین میں پھیل جاتا ہے اور زمین کے کونے کونے کو متاثر کرتا ہے۔ اکثر اوقات انسان کسی بھی بات کے تصدیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا اور رفتہ رفتہ اس کا ذہن اشکالات کا آماجگاہ بن جاتا ہے۔ انسان کے خالق کو معلوم تھا کہ یہ انسانی کمزوری ہے لہٰذا اس نے متنبہ کر دیا ہے کہ اے مسلمانو! دیکھو کوئی بھی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تصدیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم جہالت میں اسی خبر کی بنا پر اقدام کر بیٹھو اور بعد میں تمہیں ندامت کا سامنا کرنا پڑے۔

انسان کی یہی کمزوری دورِ اول میں بھی ظاہر ہوئی تھی جبکہ نبی اکرم ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے اور جب تک اس روئے زمین پر انسان آباد ہے ان واقعات کے ظہور کا ہر وقت امکان ہے۔ انسان کی اس کمزوری کو ہم "روگ" کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ "روگ" آہستہ آہستہ منافقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور انسان جب منافقت میں پختہ ہو جاتا ہے تو مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے انسانی نفسیات کے اس پہلو کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ قرآن مجید نے اسے مختلف انداز سے بیان کیا ہے اس لئے کہ اجتماعیت میں اس کا ظہور فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر محترم اپنے دروس میں ابتداء ہی سے اس "مرض" کی طرف اشارہ کرتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے دروس میں قرآن مجید کے حوالے سے اس کے ہر ہر جزو کی وضاحت کی ہے تاکہ رفقاء ہر وقت چوکنا رہیں' خبردار رہیں' نگران رہیں تاکہ جماعت کے اندر فوراً اس کی نشاندہی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی نے اپنے "نظام العمل" میں توسیعی مشاورت کا نظام رکھا ہے اور اس کے اجلاس سال میں دو بار منعقد کئے جاتے ہیں۔

یہ مشاورت اس لئے منعقد کی جاتی ہے کہ رفقاء اپنے اشکالات دائیں بائیں ظاہر کرنے کے بجائے خود امیر محترم کے سامنے پیش کریں۔ امیر محترم سامع ہوتے ہیں اور کسی رفیق پر کوئی

پابندی نہیں کہ وہ "یہ" بیان اور "وہ" بیان نہ کرے۔ اپنی رائے کے اظہار میں وہ پورا آزاد ہوتا ہے۔ اس مشاورت کا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ رفقاء کا ذہن امیر محترم کے سامنے آجاتا ہے اور انہیں آئندہ کے اقدام میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اسے ہم "فیڈ بیک" کا نظام کہتے ہیں۔ میرے علم کی حد تک پاکستان کی کسی بھی جماعت میں' خواہ وہ دینی ہو' یا سیاسی ہو' یا مذہبی ہو' یہ نظام رائج نہیں ہے۔ اس نظام کو رائج کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ عموماً دوسری تنظیمیں یا اداروں کے سربراہ معمولی تنقید بھی برداشت نہیں کرسکتے۔ چہ جائیکہ وہ خود کو تنقید کے لئے پیش کریں---- اس اہتمام کے باوجود بعض ان کہی باتیں جب امیر محترم تک پہنچیں تو آپ نے فوراً ہی اس کے ازالے کا بندوبست کیا۔ ملتزم رفقاء کی یہ نشست اسی مقصد کے لئے تھی--- الحمدللہ غلط فہمیاں دور ہوئیں اور رفقاء کو نیا عزم سفر ملا۔

۲۷/ مئی کو جمعہ کا دن تھا۔ امیر محترم کو جمعہ کا خطاب بھی کرنا تھا اور اس سے قبل صبح ۹ بجے رفقاء کو قرآن اکیڈمی میں بلایا گیا تھا۔ خطاب سے قبل ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے نظام العمل کے حوالے سے مختصر وقت میں کچھ باتیں بیان کیں۔

امیر محترم نے اپنے خطاب کا جو عنوان دیا تھا وہ حزب اللہ بمقابلہ حزب الشیطان تھا۔ سورۂ مجادلہ کے حوالے سے آپ نے فرمایا کہ نظام عدل وقسط کو قائم کرنے کے لئے مقابلہ ہوگا' مجادلہ ہوگا' ٹکراؤ ہوگا' حزب اللہ اور حزب الشیطان میں۔ جس معاشرے میں حزب اللہ کا وجود نہ ہوگا' یعنی ایسی جماعت کا وجود نہ ہوگا جو نظام عدل وقسط قائم کرنے کے لئے اٹھی ہو تو وہاں ٹکراؤ کا کیا سوال ہے؟ حزب الشیطان دو اجزاء پر مشتمل ہے' ایک وہ جو کھلا دشمن ہے اور علم ٹھوک کر سامنے آگیا ہے جیسے مقابلہ میں کفار۔ دوسرا جزو ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے جو بظاہر دوست ہوتے ہیں مگر اندر سے دشمن' جیسے منافقین کا گروہ تھا۔ اس دوسرے گروہ کی پہچان کے لئے کچھ علامات ہیں۔ یعنی وہ سرگوشی میں بات کریں گے' جسے قرآن کی اصطلاح میں "نجویٰ" کہتے ہیں۔ کھل بات نہیں کریں گے۔ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہیں' مگر دوستیاں دوسروں سے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گروپ بنا کر رازدارانہ انداز میں بات کریں گے۔ یہ پہچان بھی انہی کی ہے کہ اجتماع میں بات نہیں کریں گے بلکہ کونے کھدروں میں جاکر سرگوشی کریں گے اور دوسروں میں بدگمانیاں پیدا کریں گے' بددلی پھیلائیں گے۔ یہ بات جان لیں کہ اہل ایمان کی دوستی اللہ کے دشمنوں کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔ ایسے کام کرنے والے حزب الشیطان کا رول ادا کر رہے ہیں۔ دین کا جتنا بڑا اجتماعی کام ہوگا اس کا امتحان بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ آپ نے قرآن مجید کی آیات کے حوالے سے دونوں گروہوں کو ممیز کیا۔ اس خطاب میں رفقاء کو چونکا دینے والی باتیں تھیں۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان کے حوالے سے خود احتسابی کی دعوت بھی تھی کہ کہیں ایسا تو نہیں

ہے کہ ہم اپنی غفلت کی وجہ سے یا اپنی سادگی کی بنا پر حزب الشیطان کے مددگار بن رہے ہوں۔ یہ لمحہ فکریہ تھا جسے ہر رفیق نے محسوس کیا۔

امیر محترم کی اس تقریر کے بعد جناب عبدالرحمٰن منگورہ صاحب نے کچھ اعلانات کئے۔ اس کے بعد ناظم حلقہ جناب نسیم الدین صاحب رفقاء سے مخاطب ہوئے کہ میں مہینے میں ایک مرتبہ ہر تنظیم کے اجتماع میں شریک ہوں گا' امراء تنظیم کو چاہئے کہ وہ آئندہ آنے والی چھٹیوں کو بامقصد بنائیں اور اس میں دو روزہ پروگرام ترتیب دیں۔ میں چاہوں گا کہ اگر کسی رفیق کو حلقہ کی جانب سے کوئی شکایت ہے تو وہ ضرور بتائیں۔ میں اپنی ذات کو بھی آپ کے آگے پیش کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو میری خامیاں' میری غلطیاں بتائیں۔ ناظم حلقہ گلوگیر ہو گئے' آواز بھرا گئی۔ اپنے آپ قابو پاتے ہوئے کہا کہ ۱۹۹۰ء میں کراچی میں صرف ایک دفتر تھا' آج چھ دفاتر ہیں' میری خواہش ہے کہ کراچی کے ہر محلے میں ہمارے دفاتر موجود ہوں۔

جمعہ کے خطاب کے لئے امیر محترم نے تین موضوعات کا انتخاب کیا تھا' قرآن حکیم کا فلسفہ شہادت' شہادتِ عثمان غنیؓ اور دعوت رجوع الی القرآن کی اہمیت۔ آپ نے پہلے شہادت کے اصل مفہوم کو واضح کیا۔ شہادت کا جو رائج مفہوم ہے اس سے ہٹ کر قرآن کے منشاء اور اس کے فلسفہ کو نہایت شرح و بسط سے بیان فرمایا۔ اسی ذیل میں شہادتِ عمرؓ شہادتِ عثمانؓ اور شہادتِ حسینؓ کا ذکر آیا۔ شہادت کا لفظ دین کے فلسفہ میں گواہی دینے کے معنی میں آیا ہے' قول کے ساتھ عمل کی گواہی۔ یہ گواہی پوری زندگی کی گواہی ہے' اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے بغیر یہ گواہی بے معنی ہے۔ جو اس جدوجہد میں لگا ہوا ہے وہ زندہ شہید ہے۔

آپ نے دعوت رجوع الی القرآن کے ذکر کے ساتھ قرآن اکیڈمی کراچی میں ۹ ماہ کے کورس کا ذکر کیا اور سامعین کو پرزور انداز میں شرکت کی دعوت دی۔ ہم نے زندگی کا بیشتر حصہ دنیاوی علوم کے حصول میں صرف کر دیا ہے اور اللہ کی کتاب کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ اللہ کے حضور پیشی کے وقت ہمارے پاس اس کے لئے کیا جواب ہو گا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو حساس دلوں میں تیر بن کر اترتا ہے۔ مگر ہماری قوم کی حالت یہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے حق پہچاننے اور سمجھنے کی طرف سے منہ موڑ لیا ہے۔ امیر محترم کے اس خطبہ جمعہ کے بعد بھی اگر سامعین میں کوئی عملی حرکت پیدا نہ ہوئی تو یہی سمجھا جائے گا کہ اب زمین بالکل بنجر ہو چکی ہے اور اس میں روئیدگی کی کوئی رمق موجود نہیں ہے۔

اس دورہ کے آخر میں امیر محترم نے عصر کے بعد انجمن خدام القرآن کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ میں شرکت فرمائی۔

(مرتب : نجیب صدیقی کراچی)

دعوت فکر

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟؟

نجیب صدیقی

ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے آج تک تعمیر ملک و ملت کے لئے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی۔ ملک و ملت کی تعمیر کے لئے فرد کی تعمیر ضروری ہے۔ جس طرح ایک پختہ مکان کے لئے ایک ایک اینٹ کا پختہ ہونا ضروری ہے اسی طرح ملک و ملت کی تعمیر کے لئے پختہ بنیادوں پر فرد کی تعمیر ضروری ہے۔

فرد کی تعمیر کے لئے سب سے پہلے ہمیں مقصد متعین کرنا ہوگا۔ مقصد ہی منصوبہ بندی کے خدوخال کو ہمارے سامنے اجاگر کرے گا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا مقصد ہمارے رب نے متعین کر دیا ہے۔ یہی وہ "ہدف" ہے جس کے حصول کے لئے ہم نے پاکستان بنایا تھا۔ روز اول سے ہم نے اس ہدف سے اعراض کیا ہے جس کی وجہ سے آج ہماری حالت ہر سطح پر دگرگوں نظر آتی ہے۔ اس ہدف سے ہم نے اعراض ہی نہیں کیا ہے بلکہ اس مقصد کو تباہ کرنے والے راستے پر ہمارا سفر جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری ہے۔ وہ قوم جس کے پاس انسانیت کو دینے کے لئے ایک اعلیٰ تصور موجود تھا وہ آج خود پارہ پارہ ہو رہی ہے۔ آج ایک فرد جس گھناؤنے کھیل میں مصروف ہے اجتماعیت بھی اس کی بھرپور رلیپٹ میں ہے کیونکہ فرد سے ہی اجتماعیت بنتی ہے۔

ہم جب فرد کا جائزہ لیتے ہیں تو ہر سطح پر مایوسی اور اندھیرا نظر آتا ہے۔ نچلی سطح سے اوپر کی سطح تک سوائے کرپشن کے کچھ نظر نہیں آتا۔

- فرد ایک تاجر کی حیثیت سے ملاوٹ' دھوکہ' جھوٹ اور لوٹ کھسوٹ میں بری طرح ملوث ہے۔
- فرد ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے رشوت' اقرباپروری اور تاخیری حربے سے لوگوں کا شکار کرتا ہے۔
- فرد ایک آفیسر کی حیثیت سے اپنی طاقت کا ناجائز استعمال کرتا ہے۔ وہ لوٹ کھسوٹ میں اپنے نیچے والوں کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔
- فرد ایک پولیس مین ہونے کی حیثیت سے جو کچھ کر رہا ہے اس کی وجہ سے معاشرہ ایک

عذاب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ چور اور ڈاکوؤں سے لوگ اتنے خوف زدہ نہیں ہیں جتنے اپنے محافظوں سے ہیں۔

○ فرد ایک طالب علم کی حیثیت سے علم کے حصول کے بجائے ڈگری حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نقل ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اس پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہے۔

○ فرد ایک استاد کی حیثیت سے معلم کم اور تاجر زیادہ نظر آتا ہے۔ وہ ٹیوشن کے چکر میں طلباء کو ڈال دیتا ہے تاکہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔

○ فرد ایک وکیل کی حیثیت سے معاشرہ کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ محض چند سکوں کی خاطر قاتل کو بچانے کے لئے اپنی تمام صلاحیت صرف کر دیتا ہے۔ بے گناہوں کے خون میں نہائے ہوئے ہاتھ اسے معصوم نظر آتے ہیں۔ جھوٹے حلف نامے داخل کرتے ہوئے اس کے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ اس کا کام عدالت کو دھوکہ دے کر اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرنا ہے۔

○ فرد ایک ٹھیکیدار کی حیثیت سے افسران بالا کی ملی بھگت سے جو تعمیر کرتا ہے وہ بودی اور ناپائیدار ہوتی ہے۔

○ فرد ایک مزدور کی حیثیت سے کام چور اور کم محنت کر کے زیادہ اجرت کا طالب رہتا ہے۔

○ فرد ایک صنعت کار یا مل مالک کی حیثیت سے کام زیادہ لینے اور اجرت کم دینے کے لئے نت نئی پلاننگ کرتا رہتا ہے اور افسران سے مل کر ٹیکس کی چوری میں ملوث ہوتا ہے۔

○ فرد ایک اسمبلی کا ممبر ہونے کی حیثیت سے ملک کی تعمیر کے بجائے اپنی دنیا بنانے میں پوری طرح مصروف ہو جاتا ہے۔ وہ جو کچھ خرچ کر کے اسمبلی میں پہنچتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ وصول کرنے کے چکر میں دن رات لگا رہتا ہے۔ کاروبار کا یہ بھی ایک انداز ہے اور دراصل ہمارے ملک میں سیاست نے ایک کاروباری حیثیت اختیار کر لی ہے۔ یہ ایک ایسی صنعت ہے' جس میں گھاٹا نہیں ہے نفع ہی نفع ہے۔

○ فرد ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے اپنے لیڈر کے لئے جو کچھ کرتا ہے اسے نقد وصول کرنے کی فکر ہر دم دامن گیر رہتی ہے۔

○ فرد ایک زمیندار اور جاگیردار کی حیثیت سے "فرعون" سے کم نہیں ہے۔ اپنے زیر دستوں کا وہ حاکم ہوتا ہے۔ اگر حقیقی عکاسی کی جائے تو وہ ان کا خدا ہوتا ہے۔ ایک ہاری کی عزت' ذلت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ان سے سلوک کرتا ہے۔ انتظامیہ بھی اس کے آگے بے بس ہے۔ قانون اس کے گھر کی لونڈی ہے۔

○ ہماری ایک فرد کی حیثیت سے کولھو کے بیل کے سوا کچھ نہیں۔ وہ اپنے زمیندار آقا کے لئے ڈھور ڈنگر بن جاتا ہے۔ اس کی عزت نفس ابتدائے ایام ہی میں کچل دی جاتی ہے۔ تعلیم سے محرومی اس کی قسمت میں ہے۔

ہمارے معاشرے کی یہ انتہائی چھوٹی تصویر ہے۔ یہ تمام باتیں اجنبی نہیں ہیں۔ سبھی جانتے ہیں' ہر ایک سے دن رات سابقہ ہے۔ شاید اسے ہی دیکھ کر ہمارے ایک صدر مملکت نے اپنے ایک بیان میں فرمایا تھا کہ ہمارا پورا معاشرہ کرپٹ ہو چکا ہے۔ کیا صرف اتنا کہہ دینے سے ان کے منصب کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے کیا وہ اتنے بے بس ہیں کہ تعمیر معاشرہ کے لئے کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے۔ آج کل کے دور میں الیکٹرانک میڈیا اتنا اثر انگیز ہے کہ وہ چند ثانیوں میں اذہان کے رخ کو موڑ دیتا ہے۔ نوجوان نسل اس کی پوری گرفت میں ہے۔ صدر مملکت کی ایک جنبش قلم سے الیکٹرانک میڈیا کا قبلہ درست ہو سکتا ہے۔

میرے نزدیک تعمیر معاشرہ کے لئے دو ذرائع اختیار کرنا ضروری ہیں' جنہیں ہم نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے' پہلا "ہدف کا تعین" اور دوسرا "قانون کی حکمرانی"۔ ہدف کے تعین کے لئے کوئی کمیشن بٹھانے کی ضرورت نہیں ہے' ہمارے پیدا کرنے والے نے ہدف کا تعین کر دیا ہے۔ اب ہمارا کام ہے کہ اس ہدف کی طرف رخ کر لیں۔ ہمارا ہر قدم اسی طرف ہو۔ بغاوت کا انجام ہم نے دیکھ لیا ہے۔ ہمارا چمن کانٹوں سے بھر گیا ہے۔ بے سکونی و بے اطمینانی ہمارا مقدر بن گئی ہے۔ دنیا کی ذلت و رسوائی اس پر مستزاد ہے۔ اس ہدف کو قرآن مجید نے ایک جملے میں بیان کر دیا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" "ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے"۔ گویا ہمارا مقصد وجود بندگی رب ہے۔ کامل بندگی' ہمہ تن بندگی' ہمہ وجود بندگی ہی مطلوب ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی کام میں بندگی کی جائے اور کسی کام میں اپنی مرضی چلائی جائے۔ بندہ تو بندہ ہے' ہر وقت بندہ ہے' ہر لمحہ بندہ ہے' گھر میں ہے تو بندہ ہے' دفتر میں ہے تو بندہ ہے' دکان پر ہے تو بندہ ہے۔ حکومت کی کرسی پر ہے تو بندہ ہے' عدالت کی کرسی پر ہے تو بندہ ہے۔ اس بندگی سے اسے مفر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے رب نے زندگی کے جملہ شعبوں کے لئے تفصیلی احکام بتا دیئے ہیں' اس کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ نے ان احکام پر عمل کر کے رہتی دنیا تک کے لئے ایک اسوہ اور نمونہ چھوڑا ہے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اس سے اپنے لئے رہنمائی حاصل کریں۔

بندہ اپنے آقا کے بتائے ہوئے جملہ احکامات کا پابند ہے' اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا' اسے اپنے آقا کو ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ یہ تصور انسان کو سیدھا رکھتا ہے۔ اس کا نام "ایمان" ہے۔ ایمان یقین کے درجہ میں آئے بغیر انسانی کردار میں تغیر نہیں آ سکتا۔ یہ یقین کہ جس رب نے ہمیں پیدا کیا ہے' جس نے ہمیں زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے' جس نے ہمارے

لئے ایک ہدف مقرر کیا ہے وہ ہر لحہ ہر آن ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہم ہر وقت اس کی نظروں میں ہیں۔ وہ ہمارے دل کے وساوس سے بھی واقف ہے' ہمارے خیالات سے بھی واقف ہے اور ہماری ہر حرکت کی قلم بندی ہو رہی ہے جسے قیامت کے دن کتاب کی صورت میں ہمارے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی کتاب خود پڑھ' اپنے کرتوت کا خود جائزہ لے' تو اپنا حساب لینے کے لئے خود کافی ہے۔ یہ تصور آخرت ہی فرد کو سیدھا رکھ سکتا ہے۔ اس کے بغیر وہ بے لگام جانور کے مانند ہے۔ جہاں سینگ سمائے چلا جائے۔ جس کھیت میں چاہے منہ مارے۔ اسے اس بات کا واضح شعور ہونا چاہئے کہ بے لگامی کی ایسی ہولناک سزا ہوگی جس کا وہ تصور نہیں کر سکتا۔ بغاوت کے انجام کا شعور ہی اسے برائی سے روک سکتا ہے۔ ٹریفک کے قوانین کو سمجھنے کے لئے کتابیں شائع کی جاتی ہیں' اشاروں سے مڑنے' رکنے' اور چلنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ پھر جو چوراہے پر باوردی پولیس والا کھڑا ہو کر ان قوانین کی نگرانی کرتا ہے۔ سڑک پر گاڑی چلانے کے لئے امتحانات میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب تک وہ اپنی "قلس" پیش نہیں کرتا اسے ڈرائیونگ لائسنس نہیں ملتا۔ اس کے باوجود حادثے ہوتے رہتے ہیں اور حکومت کو ان کے لئے قوانین وضع کرنے پڑتے ہیں۔ ان قوانین کے نفاذ اور فیصلے کے لئے باقاعدہ فوجداری اور عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ کیا انسانی زندگی کے اس طویل سفر کے لئے کوئی ہدایت اور کوئی قانون مقرر نہیں؟ ایسا کیسے ممکن ہے؟ یقیناً ہے۔ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہمیں کتاب بھی دی ہے' رہنما اصول بھی دیئے ہیں اور انبیاء نے اس پر چل کر انسانیت کو راہ دکھائی ہے۔

دنیا میں منصوبہ بندی کے بغیر کوئی کام احسن طریقہ پر انجام نہیں پاتا۔ حکومتیں بغیر منصوبہ بندی کے ایک دن بھی نہیں چل سکتیں۔ کیا ہم نے اپنی زندگی گزارنے کے لئے اپنے رب کی نازل کی ہوئی ہدایت پر چلنے کی کوئی منصوبہ بندی کی ہے۔ یہ دور پتھر کا دور نہیں ہے' نہ اب لوگ غاروں میں رہتے ہیں' اجتماعیت نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ اس سے مفر نہیں ہے۔ اب جو بھی منصوبہ بندی ہوگی وہ اجتماعیت کے پیش نظر ہوگی' ہدف کو سامنے رکھ کر ہوگی۔

صدر مملکت کا یہ کہنا کہ پورا معاشرہ کرپٹ ہو چکا ہے کیا یہ آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ آخرت میں سرخروئی حاصل ہو' لیکن وہ شخص جو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہو اپنے رب کے حضور کیا عذر پیش کر سکتا ہے۔

تعمیر معاشرہ کے ہدف کے تعین کے بعد دوسری اہم بات قانون کی حکمرانی ہے۔ قانون بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ چھوٹا بڑا' امیر و غریب' حاکم و محکوم سب کو اسی ترازو سے تول کر ملے۔ عدل کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس میں استثناء نہ ہو۔ حضور ﷺ نے دو جملوں میں نظام عدل اجتماعی کو اس

طرح بیان کیا ہے : "پچھلی قومیں اس لئے ہلاک ہوگئیں کہ جب ان میں سے کوئی غریب فرد جرم کرتا تو حد جاری کردی جاتی اور اسی قوم کا امیر اور سربرآوردہ شخص جرم کرتا تو وہ سزا سے بچ جاتا۔ خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔" قانون کی حکمرانی اسے کہتے ہیں۔ کیا ہماری پوری قوم اس شعور سے دست بردار ہوگئی ہے یا ہمارے حکمرانوں میں کوئی ایسا نہیں رہا جسے قرآن کی زبان میں کہا جائے : "اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ؟؟"

بقیہ : ایک استفتاء اور اس کا جواب

اسلامی انتخاب کا طریقہ خلفاء راشدین کے انتخابات کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ جب تک وہی طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا اسلامی نظام کبھی بھی نافذ نہیں ہو سکتا۔ پہلے انتخابات کا طریقہ تبدیل کرائیں' اس کے بعد اسلامی نظام کا نفاذ یقینی ہو جائے گا----

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد جمال الدین کاظمی عفی عنہ

مہتمم قمر العلوم فریدیہ 'ماری پور روڈ' دریا آباد' کراچی ۵۳

ضرورت رشتہ

(۱)

ایک لڑکی تین سالہ انڈسٹریل ٹیچنگ ڈپلومہ ہولڈر (خلع یافتہ) عمر 33 سال اور ایک لڑکے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ عمر 35 سال تنخواہ -/12000 روپے ماہوار (عقد ثانی سابقہ بیوہ مطلقہ) ہر دو پابند صوم وصلوٰۃ کے لئے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ گھرانوں سے رشتے مطلوب ہیں۔

(۲)

متوسط گھرانے کی راجپوت فیملی سے متعلق 21 سالہ پابند صوم وصلوٰۃ لڑکی (دینی و دنیاوی تعلیم سے بہرہ مند) کے لئے دینی مزاج کے حامل گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

پتہ برائے رابطہ : مرکزی دفتر تنظیم اسلامی A-67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

ضرورت رشتہ

(۱)

تحریک اسلامی کا ذہن رکھنے والے 47 سالہ ہومیو ڈاکٹر ملتان میں ذاتی کاروبار / رہائش' پہلی بیوی وفات پا چکی ہے' کے لئے پابند شریعت ترجیحاً غیر شادی شدہ اردو / پنجابی سپیکنگ مناسب تعلیم یافتہ کا رشتہ درکار ہے۔ اعتماد کے ساتھ درج ذیل پتہ پر تفصیل سے لکھیں۔

پتہ : (ڈاکٹر) منظور حسین' قرآن اکیڈمی' 25۔ آفیسرز کالونی ملتان فون : 520451

(۲)

تنظیم اسلامی سے تعلق رکھنے والے ارائیں برادری کا 25 سال حافظ قرآن' تعلیم ایف اے۔ لاہور میں نیا کاروبار' کے لئے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ارائیں برادری کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ : دفتر تحریک خلافت حلقہ لاہور ۴۸ ۔ 4۔ مزنگ روڈ نزد فیملی ہسپتال لاہور

(۳)

تنظیم اسلامی کی پیرس شاخ سے وابستہ ایک پاکستانی کے لئے رشتہ درکار ہے' لڑکی دینی گھرانے سے صوم و صلوٰۃ اور پردے کی پابند ہو اور تحریکی مزاج کی ہو۔ غریب گھرانے کو ترجیح دی جائے گی۔ ذات پات اور عمر کی قید نہیں۔ اعتماد سے لکھیں۔

MrSADIQMohamed,18AvenueD.Casanova94500

Champignysurmarne,FRANCE

(۴)

ایم بی بی ایس ڈاکٹر عمر 28 سال۔ رہائش شاہدرہ لاہور' دینی مزاج کا حامل' مستحکم حیثیت کا حامل' کاروباری ارائیں گھرانہ' کیلئے ترجیحاً ایم بی بی ایس یا بی اے کی سطح کی تعلیمی قابلیت کی حامل دینی مزاج رکھنے والی ہم پلہ فیملی کی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ ذات ترجیحاً ارائیں' مگر لازم نہیں۔

برائے رابطہ : اختر عدنان' مرکزی دفتر تنظیم اسلامی A ۔67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو' لاہور

ملکی و ملی مسائل کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کا موقف

۱۰/ جون ۹۴ء کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور' ۱۰/ جون: امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ اس اندیشے پر مجھے تو قنوطی قرار دے دیا جاتا ہے کہ اسلام نہ آیا تو پاکستان ختم ہو جائے گا' لیکن کثیر تعداد میں پائے جانے والے ان تجزیہ نگاروں کو کیا کہا جائے گا جو کھل کر یہ کہہ رہے ہیں کہ آج ہماری سیاسی صورت حال وہی ہے جو ۱۹۷۱ء میں تھی۔ جیسے مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان محاذ آرائی نے ملک کو دولخت کر دیا تھا ویسے ہی نواز شریف اور بے نظیر میں مفاہمت نہ ہونے کا نتیجہ ایک اور المناک حادثے کی شکل میں رونما ہو سکتا ہے جو سنگینی کے اعتبار سے شاید سقوط ڈھاکہ سے کم تر نہ ہو۔ مسجد دارالسلام باغ جناح کے اپنے خطاب جمعہ میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ ملک میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی کشمکش وہی صورت حال اختیار کر چکی ہے جو افغانستان میں صدر برہان الدین ربانی اور حکمت یار کے دھڑوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ کسی ایک کے تھک کے چور ہو جانے اور صفحہ ہستی سے مٹ جانے تک دوسرا ہتھیار نہیں رکھے گا۔ وہاں افغانستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے اور یہاں ملک کا سیاسی نظام بے یقینی کی بھینٹ چڑھنے پہ آگیا ہے۔ لیکن نواز شریف بے نظیر مفاہمت ناممکن العمل نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہم بار بار ایسے حادثات سے صرف اس لئے دوچار ہوتے ہیں کہ ہم نے اسلام کو' جو پاکستان کی واحد وجہ جواز ہے' نہیں اپنایا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام صرف عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ معاشی' سماجی اور سیاسی عدل و انصاف کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری کے ہوتے ہوئے بعض مذہبی مظاہر کی نمائش سے یہ سمجھنا کہ ہمارے معاشرے کو اسلام کی برکات حاصل ہو جائیں گی محض خام خیالی ہے۔ اسلام کا نظام جس نوع کی انقلابی جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے اس سے بچنے کے لئے نفاذ اسلام کے جو سیاسی اور انتخابی راستے اختیار کئے گئے وہ بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ اس کے لئے اصل ضرورت قوت ایمانی پیدا کرنے کی ہے اور اس کا واحد ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ معاشرے کے فہیم عناصر میں شعوری ایمان پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ ترین سطح پر قرآن مجید کی نشر و اشاعت ضروری ہے۔ اس کے لئے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس کے بغیر نہ حقیقی معنوں میں اسلام کا نفاذ ممکن ہے اور نہ ہی پاکستان کا استحکام اور اس کی بقاء کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

KHALID TRADERS

IMPORTERS—INDENTORS—STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER—SMALL TO SUPER—LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

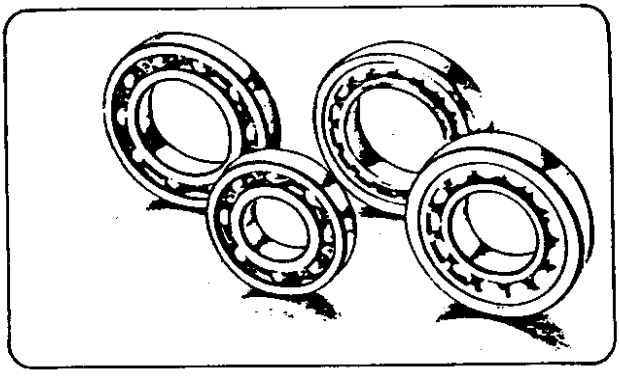

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

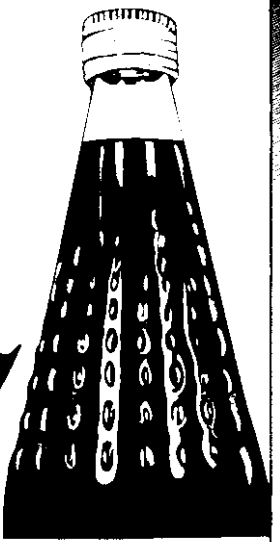

REG. No. L. 7360
Vol. 43. No. 7
July 1994

MPL